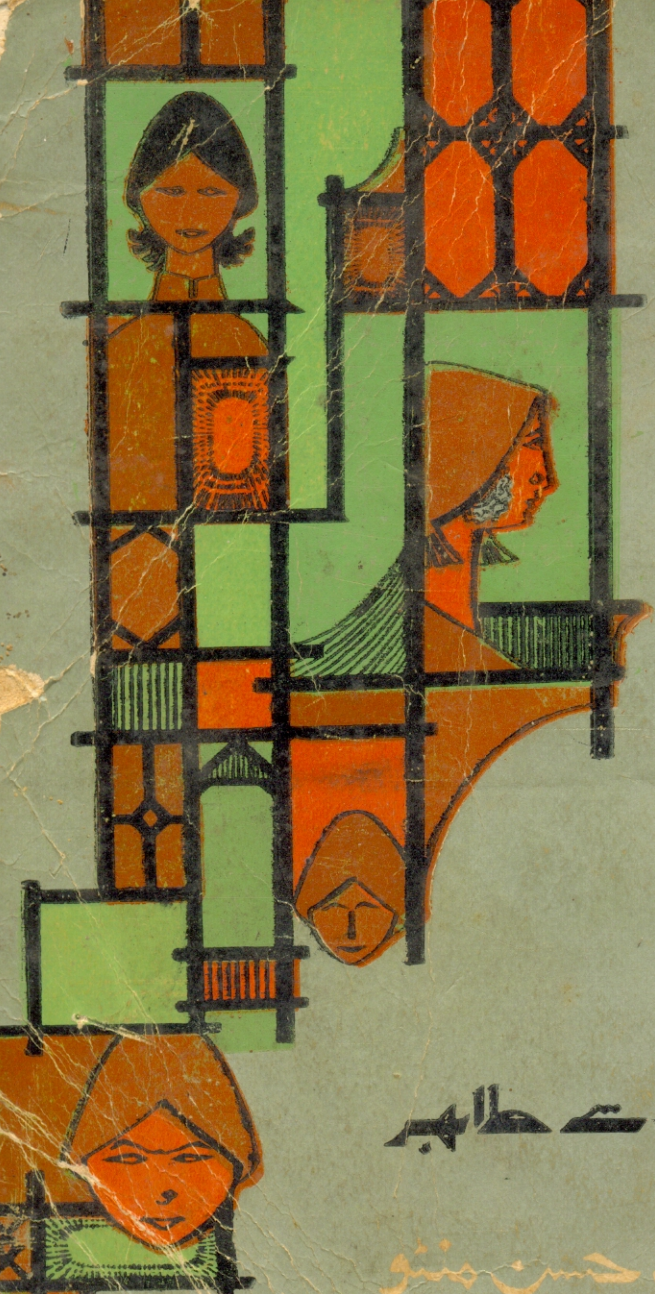




طاہرہ سے طاہر

معارف حسن منو

No: - 72.

KHAN CORPORATION,
Bookellers & Stationers & Library,
126-C/2, P. O. Box 11, Society,
Karachi-20



عظیم فنکار کی دیگر کتب

۳/۰ رشتے

۳/۰ شکامی عورتیں

۳/۰ بغیر اجازت

۳/۰ رقی ماشہ تولہ

۳/۵۰ ایک مرد

۳/۰ جہانے

۳/۰ بغیر عنوان کے

۴/۵۰ کالی شلوار

زندہ جاوید مصنف

سعادت حسن منٹو
بے باق قلم سے

ظاہرہ سے ظاہر

منٹو کے غیر مطبوعہ افسانوں کا مجموعہ

ظفر احمد مدنی ایڈیٹر



ہیڈ آفس: ۱۰۱ ایکب روڈ انارکلی لاہور۔
برایچ: ۱۰۱ جت روڈ (دی مال اکوہ مری) اردو بازار کراچی
فون: 721155

(جملہ حقوق دائمی بحق ظفر احمد قریشی اینڈ سنز محفوظ ہیں)

قیمت ۵۰ روپے

پہلی بار ۱۹۷۱ء

تعداد ایک ہزار
بڑیہ آفس طبع ہوئی

فون

پریس

۵۵۹۸۶

کوہ مری

۲۴۵۶

گمر

۶۴۴۴۸

اظہارِ اظہار برادر نے پنجاب پریس
سے چھپوا کر اپنے ادارے سے
شائع کی۔

طاہرہ سے طاہرہ.....

سَعَادَتُ حَسَن مَنُو

ہمیں فخر
ہے کہ
ہم نے
ادب کی
خدمت کی
ہے اور
آپ کے
ممنون ہیں
کہ آپ نے
ہماری
حوصلہ افزائی
کی ہے۔

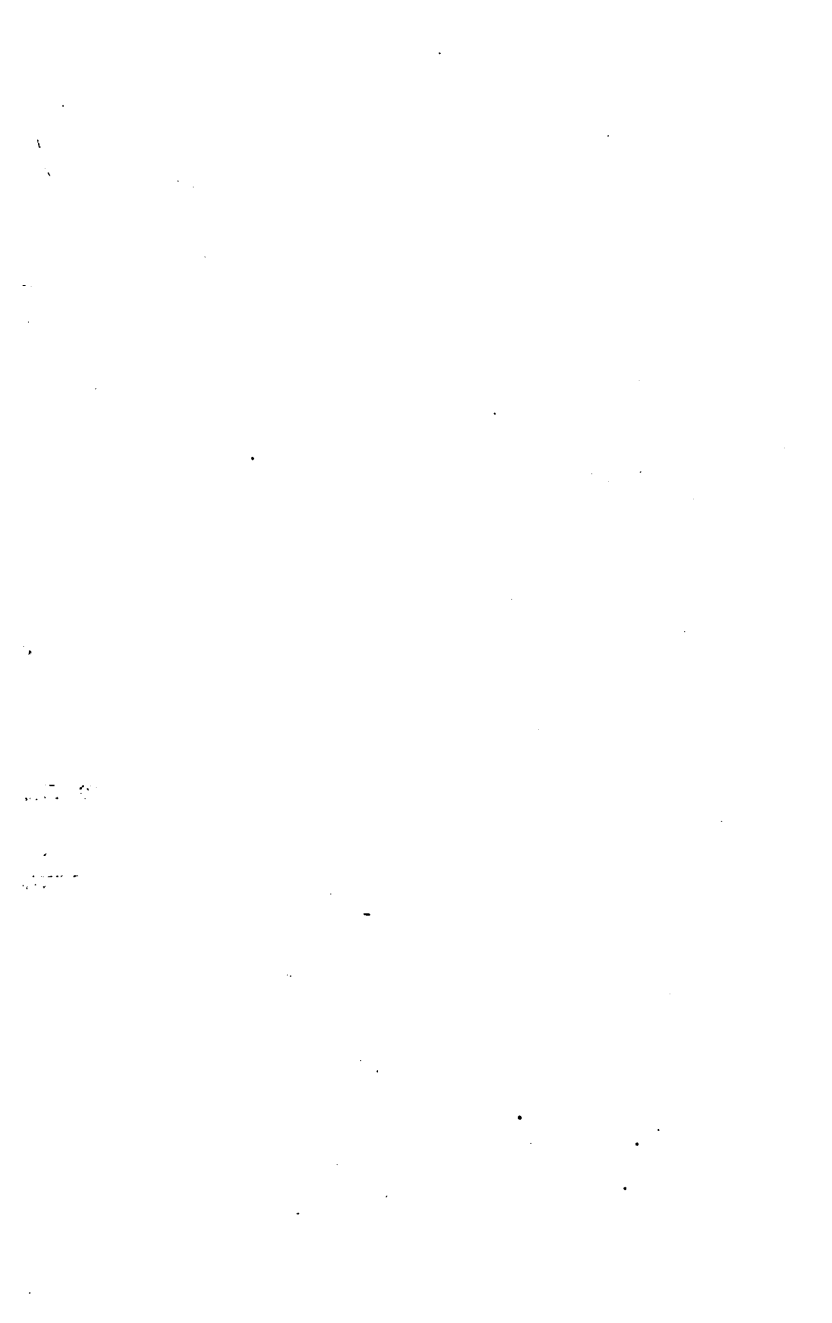
ناہید ظفر

اچھی
کتاویز
آپ کے
قیمتی
ذہن
کو
تشوون
بخشنے
ہیں

ظفر احمدہ

افسانے

۹	شیدا
۲۲	رومان
۳۲	ایک سچی کہانی
۴۵	ایک خبر
۵۵	زہر خورانی
۶۵	عس شریف
۷۶	کنٹر وستان
۱۲۹	طاہرہ سے طاہر اور سعید سے سعید
۱۴۳	بڈھا کھوسٹ
۱۵۳	حافظ حسن دین
۲۶۲	انارکلی
۱۷۱	ملاوٹ
۱۸۰	کمیشن





شیدا

شیدے کے متعلق امرتسر میں یہ مشہور تھا کہ وہ چٹان سے بھی ٹکڑے کر سکتا ہے۔ اُس میں بلا کی پھرتی اور طاقت تھی۔ گو تن و توش کے خانہ سے وہ ایک کمزور انسان دکھائی دیتا تھا، لیکن امرتسر کے سارے غنڈے اُس سے خوف کھاتے اور اُس کو احترام کی نظروں سے دیکھتے تھے۔

فرید کا چوک، معلوم نہیں فسادات کے بعد اُس کی کیا حالت بنے عجیب و غریب جگہ تھی۔ یہاں شاہی بھی تھے۔ ڈاکٹر اور حکیم بھی، موچی اور جھلاہے، جواری اور بد معاش، نیک اور پرہیزگار سبھی یہاں بستے تھے۔ ہر وقت گماگمی رہتی تھی۔

شیدے کی سرگرمیاں چوک سے باہر ہوتی تھیں، یعنی وہ اپنے علاقے میں کوئی ایسی حرکت نہیں کرتا تھا، جس پر اُس کے محلے والوں کو اعتراض ہو۔ اُس نے جتنی لڑائیاں لڑیں، دوسرے غنڈوں کے محلے میں۔

وہ کہا کرتا تھا ”اپنے محلے میں کسی دوسرے محلے کے غنڈے

سے لڑنا نامردی کی نشانی ہے۔۔۔ مزا تو یہ ہے کہ دشمن کو
اُس کی اپنی جگہ پر مارا جائے۔“

اور یہ صحیح تھا۔ ایک بار پٹرنگوں سے اُس کی ٹھن گئی۔
وہ کئی مرتبہ چوک فرید سے گزرے۔ بڑکیں مارتے، نعرے
لگاتے، شہید سے کوگالیاں دیتے۔ وہ یہ سب سن رہا تھا
مگر اُس نے اُن سے بھڑنا مناسب نہ سمجھا اور خاموش رحمان
تاندرو کی دکان میں بیٹھا رہا۔

لیکن دو گھنٹوں کے بعد وہ پٹرنگوں کے محلے کی طرف روانہ
ہوا۔ اکیلا۔۔۔ بالکل اکیلا اور پھر غیر مسلح۔

وہاں جا کر اُس نے ایک فلک شکاف نعرہ بلند کیا، اور
پٹرنگوں کو جو اپنے کام میں مصروف تھے لکارا ”نیکلو باہر،
مختاری.....!“

دس پندرہ پٹرننگ لالٹیاں لے کر باہر نکل آئے اور
جنگ شروع ہو گئی۔ میرا خیال ہے، شہید اگتھے اور نبوٹ کا
ماہر تھا۔ اُس پر لالٹیاں برسائی گئیں، لیکن اُس نے ایک بھی ضرب
اپنے پر نہ لگنے دی۔ ایسے پینتر سے بدلتا رہا کہ پٹرنگوں کی سچی
گم ہو گئی۔

آخر اُس نے ایک پٹرننگ سے بڑی چابک دستی سے لالٹلی
پھینکی اور حملہ آوروں کو مار مار کے ادھ مڑا کر دیا۔

دوسرے روز اُسے گرفتار کر لیا گیا — دو برس قید باعشقت
کی سزا ہوئی — وہ جیل چلا گیا۔ جیسے وہ اُس کا اپنا گھر ہو۔
اس دوران میں اُس کی بوڑھی ماں وقتاً فوقتاً ملاقات کیلئے
آتی رہی۔

وہ مشقت کرتا تھا، لیکن اُسے کوئی کوفت نہیں ہوتی تھی
وہ سوچتا تھا کہ چلو درزش ہو رہی ہے، صحت ٹھیک رہے
گی۔

اُس کی صحت، باوجود اس کے کہ کھانا بڑا دابیات ہوتا
پہلے سے بہتر تھی۔ اُس کا وزن بڑھ گیا تھا۔ لیکن وہ بعض اوقات
مغموم ہو جاتا اور اپنی کوٹھڑی میں ساری رات جاگتا رہتا۔
اُس کے ہونٹوں پر پنچابی کی یہ بولی ہوتی ہے

کی کچھ تیر کی یاری

ہناں ہناں ہو کے ٹٹ گئی

ایک برس گزر گیا، مشقت کرتے کرتے — اب اُس کی
افسردگی کا دور شروع ہوا۔ اُس نے مختلف بولیاں گانا شروع
کردیں۔ مجھے ایک قیدی نے بتایا، جو اُس کے ساتھ والی کوٹھڑی
میں تھا کہ —

وہ یہ بولیاں گایا کرتا تھا —

لبھ جان گے یار گوا چے

بھیکے لے لے پٹناں دے

اس کا مطلب یہ ہے کہ تجھے تیرا گم شدہ محبوب مل جائے گا اگر
تو دریا کے ساحل پر کشتیاں چلانے کا ٹھیکا لے لے۔

گڈی کٹ جاندی جھان دے پریم والی ،

مُنڈے لے جاندے ادھان دی ڈور لٹ

یعنی جن کی محبت کی پٹنگ کٹ جاتی ہے تو لڑکے بالے بڑا شور مچاتے
ہیں اور اُن کی ڈور لٹ کر لے جاتے ہیں۔

میں اب اور بولیوں کا ذکر نہیں کر دوں گا ، کیونکہ اُن سب کا

جو شیدے کے ہونٹوں پر ہوتی تھیں ، ایک ہی قسم کا مفہوم ہے

اُس قیدی نے مجھ سے کہا :

” ہم سمجھ گئے تھے کہ شیدا کسی کے عشق میں گرفتار

ہے۔ کیونکہ ہم نے کئی مرتبہ اُسے آپس بھرتے بھی دیکھا۔

مشقت کے دوران وہ بالکل خاموش رہتا ، ایسا معلوم ہوتا جیسے

وہ کسی اور دنیا کی سیر کر رہا ہے۔۔۔ محوڑے محوڑے فقروں

کے بعد ایک لمبی آہ بھرتا اور پھر اپنے خیالات میں کھو جاتا۔“

ڈیڑھ برس کے بعد جب شیدا خود کشی کا ارادہ کر چکا تھا، اور کوئی ایسی ترکیب سوچ رہا تھا کہ اپنی زندگی ختم کر دے کہ اُسے اطلاع ملی کہ ایک نوجوان لڑکی تم سے ملنے آئی ہے۔ اُسے بڑی حیرت ہوئی کہ یہ جوان لڑکی کون ہو سکتی ہے۔ اُس کی سرفِ ماں ہی ماں تھی جو اس سے اپنی ممتا کے باعث ملنے آجایا کرتی تھی۔

ملاقات کا انتظام ہوا۔ شیدا سلاخوں کے پیچھے کھڑا تھا۔ اُس کے ساتھ مسلح سپاہی۔ لڑکی کو بلایا گیا۔ شیدا سے نے سلاخوں میں سے دیکھا کہ ایک برقع پوش عورت آہنی پنجرے کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اُس کو ابھی تک یہ حیرت تھی کہ یہ عورت یا لڑکی کون ہو سکتی ہے۔ اسفید برقع تھا۔ جب وہ پاس آئی تو اُس نے نقاب اٹھائی۔ شیدا چیخا ”تم... تم کیسے...!“

زلیخا، جو کہ پٹرنگوں کی لڑکی تھی، زار و قطار رونے لگی۔ اُس نے حلق میں لفظ اٹک اٹک گئے۔

”میں تم سے ملنے آئی ہوں — لیکن — لیکن مجھے... مجھے معاف کر دینا اتنی دیر کے بعد آئی ہوں — تم — خدا معلوم اپنے دل میں میرے متعلق کیا سوچتے ہو گے!“

شیدے نے سلاخوں کے ساتھ سرنگا کر کہا:

”نہیں میری جان — میں مختارے متعلق سوچتا ضرور رہا

لیکن میں جانتا تھا کہ تم مجبور ہو۔“

زلیخا نے روتے ہوئے کہا:

”میں واقعی مجبور تھی — لیکن آج مجھے موقع ملا تو میں آگئی۔ سچ

کہتی ہوں میرا دل کسی چیز میں نہیں لگتا تھا۔“

”یہ موقع تمہیں کیسے مل گیا؟“

زلیخا کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

”میرے آبا کا انتقال ہو گیا ہے۔ کل اُن کا چالیسواں تھا“

شیدہ آمرحوم سے اپنی ساری غناصمت بھول گیا۔

”خدا انہیں جنت بخشے — مجھے یہ خبر سن کر بڑا افسوس ہوا۔“

یہ کہتے ہوئے اُس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ”صبر کرو زلیخا!

اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔“

زلیخا نے اپنے سفید برقعے سے آنسو پونچھے ”میں نے بہت

صبر کیا ہے شیدے، اب اور کتنی دیر کرنا پڑے گا — تم یہاں

سے کب نکلو گے؟“

”بس چھ مہینے رہ گئے ہیں، لیکن میرا خیال ہے کہ مجھے بہت پہلے

ہی چھوڑ دیں گے۔ یہاں کے سب افسر مجھ پر مہربان ہیں۔“

زینجا کی آواز میں محبت کا بے پناہ جذبہ پیدا ہو گیا،

”جلدی آؤ پیارے۔۔۔ مجھے اب تمھاری ہونے سے روکنے

والا کوئی نہیں۔ خدا کی قسم اگر کسی نے تمھاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا

تو میں خود اس سے نیٹ لوں گی۔۔۔ میں نہیں چاہتی کہ تم پھر اسی..

مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ۔“

سنتری نے کہا کہ وقت ختم ہو گیا، چنانچہ ان کی ملاقات بھی ختم ہو گئی

زینجا روٹی روٹی چلی گئی۔ اور شیدا دل میں مسرت اور آنکھوں میں آنسو

یہ جیل کے اندر چلا گیا۔ جہاں اُس کو مشقت کرنا تھی۔ اُس دن اُس

نے اتنا کام کیا کہ جیلر دنگ رہ گئے۔

دو مہینوں کے بعد اُسے رہا کر دیا گیا۔ اس دوران زینجا دو مرتبہ

اُس سے ملاقات کرنے آئی تھی۔ اُس نے آخری ملاقات میں اُس

کو بتا دیا تھا کہ وہ کس تاریخ کو جیل سے باہر نکلے گا، چنانچہ وہ گیٹ کے پاس

برقع پہنے کھڑی تھی۔ دونوں فرط مسرت میں آنسو بہانے لگے۔

شید سے نے تانگہ لیا، دونوں اس میں سوار ہوئے اور شہر کی

بہاں چلے۔ لیکن شیدے کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ زلیخا کو کہاں لے جائے گا۔

”زلیخا! تمہیں کہاں جانا ہے؟“

زلیخا نے جواب دیا۔

”مجھے معلوم نہیں — تم جہاں لے جاؤ گے، وہیں چلی جاؤں گی۔“

شیدے نے کچھ دیر سوچا اور زلیخا سے کہا:

”نہیں، یہ ٹھیک نہیں۔ تم اپنے گھر جاؤ۔ دنیا مجھے گنڈا کہتی ہے۔“

لیکن میں تمہیں جائز طریقے پر حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ — تم سے باقاعدہ شادی کروں گا۔“

زلیخا نے پوچھا:

”کب؟“

شیدے نے جواب دیا:

”اس ایک دو ہفتے تک جائیں گے۔ میں اپنی بوسے کی ٹھیک

پھر سے قائم کروں۔ — اس عرصے میں اتنا روپیہ اکٹھا ہو جائے گا کہ میں

تمہارے لیے زیور کی خرید کر دوں گا۔“

زلیخا بہت متاثر ہوئی۔ ”تم کہتے ہو مجھے جو شیدے — جتنی دیر تم

کو گئے، میں اُس گھڑی کے لیے انتظار کروں گی جب میں تمہاری ہو جاؤں گی۔“

مشیدہ ذرا جذباتی ہو گیا۔

”جانی — تم اب بھی میری ہو — میں بھی تمہارا ہوں — لیکن میں چاہتا ہوں، جو کام ہو طر طریقے سے ہو — میں ان لوگوں میں سے ہوں جنہیں ہوں جو دوسروں کی جو ان کنواری لڑکیوں کو درغلا کر خراب کرتے ہیں۔ مجھے تم سے محبت ہے، جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ تمہاری خاطر میں نے مار کھائی اور قریب قریب دد برس جیل میں کاٹے — خداوند پاک کی قسم کھا کے کہتا ہوں، ہر وقت میرے ہونٹوں پر تمہارا نام رہتا تھا۔“

زلیخا نے کہا:

”میں نے کبھی نماز نہیں پڑھی تھی، لیکن تمہارے لیے میں نے ایک ہمسائی سے سیکھی اور بلاناغہ پانچوں وقت پڑھتی رہی۔ ہر نماز کے بعد دعا مانگتی کہ خدا تمہیں ہر آفت سے محفوظ رکھے۔“

مشیدہ نے شہر پہنچتے ہی دوسرا تانگہ لے لیا اور زلیخا سے جدا ہو گیا۔ تاکہ وہ اپنے گھر جائے اور وہ اپنے۔

شیدے نے ڈیڑھ ماہ کے اندر اندر ایک ہزار روپے پیدا کر لیے
 ان سے اُس نے زینا کے لیے سونے کی چوڑیاں اور انگوٹھیاں
 بنوائیں۔ گلے کیلئے ایک نیکلس بھی لیا۔ اب وہ پوری طرح لیس
 تھا۔

ایک دن وہ اپنے گھر میں ادھر بیڑھی پر بیٹھا کھانا کھانے لگا
 تھا کہ نیچے سے کسی عورت کے میں کرنے جیسی آواز آئی۔ وہ
 اُسے پکار رہی تھی۔ اور ساتھ ساتھ کوسنے بھی دے رہی تھی۔
 شیدے نے اٹھ کر کھڑکی میں سے نیچے جھانکا تو ایک
 بڑھیا تھی۔ جو اُس کے محلے کی نہیں تھی۔ اُس نے گردن
 اٹھا کر ادھر دیکھا اور پوچھا:

”کیا تم ہی شیدے ہو؟“

”ہاں ماں۔“

”خدا کرے نہ رہو اس دنیا کے تنگ پر!“

”تمہاری جوانی بڑھ گئی۔!“

”تم پر سبلی گرے۔“

بڑھیا نے ایک ساتھ کٹی کوسنے دیئے

شیدے نے کسی قدر لختے میں پوچھا:

”بات کیا ہے؟“

بڑھیا کا بچہ اور زیادہ تلخ ہو گیا۔

”میری بچی تم پر نہ جان چھڑکے اور تمہیں کچھ پتا ہی نہیں“

شیدے نے حیرت سے سوال کیا:

”کون ہے تمہاری بچی؟“

بڑھیا نے جواب دیا۔

”زینا اور کون؟“

شیدہ اسیران ہو کر بولا:

”کیا ہوا اُس کو؟“

بڑھیا رونے لگی۔

”وہ تم سے ملتی تھی۔ تم غلطے ہو۔ اس لیے ایک

تھانیدہ۔ نے زہر دستی اُس کے ساتھ اپنا منہ کالا کیا؟“

شیدے کے ہوش دھواں ایک لمحہ کیلئے غائب ہو گئے

مگر پھر سنبھل کر اُس نے بڑھیا سے پوچھا۔

”کیا نام ہے اس تھانیدہ کا؟“

بڑھیا کانپ رہی تھی۔

”کرم داد! تم یہاں اوپر مزے میں بیٹھے رہو، بہت بڑے غنڈے بنے پھرتے ہو۔ اگر تم میں مکتوڑی سی بھی غیرت ہے تو جاؤ اور اس تختہ انبیار کا سر گنڈا سے سے کاٹ کے رکھ دو۔“

شید اچھوڑ بولا۔ کھڑکی سے بیٹ کر اُس نے بڑے اطمینان سے کھانا کھایا۔ پیٹ بھر کے دو گلاس پانی کے پیئے اور ایک کونے میں رکھی ہوئی کھماڑی لے کر باہر چلا گیا۔

ایک گھنٹے کے بعد اُس نے زلیخا کے گھر دروازے پر دستک دی۔ وہی بڑھیا باہر نکلی۔ شید سے کہتا ہوا میں خون آلود کھماڑی تھی۔ اُس نے بڑے پڑ سکون لہجہ میں کہا:

”ماں۔! جو کام تم نے مجھ سے کما تھا، کر آیا ہوں۔ زلیخا سے میرا سلام کہنا۔ میں اب چلتا ہوں۔“

یہ کہہ کر وہ سیدھا کو تو ال گیا اور خود کو پولیس کے حوالے کر

دیا۔ !!!

رومان

میری سجدیں نہیں آتا، تمہاری عقل کو کیا ہو گیا ہے۔
 میری عقل تو صحیح سلامت ہے — ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی
 عقل ہی ماری گئی ہے۔
 اگر میری عقل ماری گئی ہے، تو اس کا خون تمہارے سر پر ہے۔
 میرے سر پر؟ — ان دو خون کے سر پر نہیں، جو ہر روز آپ
 کا خون چرتے ہیں۔
 مجھ میں خون ہی کہاں ہے جو وہ چوسیں گے۔ جتنا تھا، وہ تو تم چوس
 گئی ہو۔ — ایک قطرہ بھی نہیں چھوڑا۔
 یہ سراسر بہتان ہے یہ تو مجھے کہنا چاہیے تھا کہ آپ نے میرا

”خون چوسا ہے“

”وہ کیسے؟“

”پانچ بچے پیدا کر دیئے ہیں مجھ سے۔ ان میں کتنا خون میرا
صانع ہوا ہے۔ آپ کو اتنے بچے پیدا کرنے پڑنے تو قدرِ عافیت
معلوم ہو جاتی“

”عورت کا کام بچے پیدا کرنا ہے۔ گھر کا خیال رکھنا ہے۔ یہ
دیکھنا ہے کہ سالن میں کہیں نمک زیادہ تو نہیں ڈال دیا باورچی نے۔ پھر
بچوں کی نگہداشت بھی اس کے فرائض میں داخل ہے۔“
”اور نگوڑے مرد ہاتھ پر ہاتھ دھو رہے بیٹھے رہیں۔ سارا دن جمائیاں
لینے رہیں۔“

”سارا دن تو میں دفتر میں ہوتا ہوں۔ وہاں جمائی لینے کا موقع ہی کہاں
ملتا ہے۔“

”دفتر میں کیا آپ سارا دن ہل چلاتے رہتے ہیں؟“
”میں نے اگر وہاں ہل چلانا شروع کر دیا تو پھر اس گھر کا اللہ حافظ ہے۔“
”کیوں؟“

”جب دفتر ہی میں ہل چل گیا تو یہ گھر کیسے سلامت رہے گا۔“

وہی تو میری اور تمہاری روزی کا ٹھیکہ ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا،

تمہاری عقل کو کیا ہو گیا ہے؟

میری عقل بالکل درست ہے، آپ اپنی عقل کسی سے درست کر دائیے۔
کس سے؟

”بچہ کیا علوم۔ آپ کسی ڈاکٹر سے مشورہ لیجئے۔ وہ آپ کو کوئی
نہ کوئی علاج بتا دے گا۔“

”تم خود ہی بتا دو۔ مجھے خواہ مخواہ سولہ روپے فیس دینا پڑے گی۔ تم
گو سند یافتہ نہیں ہو مگر قابل سے قابل ڈاکٹروں کا مقابلہ کر سکتی ہو۔“
”آپ اس طرح میرا مذاق نہ اڑایا کریں۔ خدا کی قسم میں کسی روز
دنیا بنی ہو جاؤں گی۔“

”دیوانہ ہونا کسی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ تیس برس فرزانگی میں
کاٹے، اتنے ہی برس دیوانگی میں۔ دو نو مزے لئے۔“

”خدا کرے آپ پاگل ہو جائیں۔ اور پاگل بننے کے مزے چکھتے ہیں
میں تو پاگل ہوں۔ اس لئے کہ تم ایسی بیوی سے نباہ کئے جا رہے

ہوں۔“

”نباہ میں کر رہی ہوں یا آپ۔ پندرہ برس سے میں آپ

آپ کی زیادتیاں برداشت کر رہی ہوں — شروع شروع میں آپ کا رویہ ٹھیک تھا، مگر دو برسوں کے بعد ہی آپ بالکل بدل گئے جیسے مجھ سے کوئی واسطہ ہی نہیں۔“

”واسطہ کیوں نہیں — جیسا پہلے تھے، ان پندرہ برسوں کے بعد بھی ویسا ہی ہے — تمہیں یہ کیسے محسوس ہوا کہ مجھے تم سے کوئی سروکار نہیں رہا۔“ آپ اپنے دل سے پوچھتے: “

”میں اپنے دل سے کیا پوچھوں — اس کو تو تم نے کباب سیخ بنا دیا ہے۔“

”جی ہاں الٹا چور کو تو ال کو ڈانٹے — میں نے آپ کو کباب سیخ بنا دیا ہے۔“ کباب سیخ بنانے والے آپ کے وہ دوست ہیں جو آپ کے ساتھ جو تک کی طرح چٹے رہتے ہیں — خدا غارت کرے ان کو۔“

”تم کسی کو بدعنوانہ دیا کرو۔“

”کیوں نہ دوں — میرا کلیجہ ان لوگوں کی وجہ سے جھلنا رہتا ہے۔“ ان کے لئے لیمونڈ آتے ہیں۔ بہترین سے بہترین مٹھائیاں آتی ہیں۔ ان کو شراب بھی پلائی جاتی ہے۔ اور اگر میں کہوں کہ مجھے ڈورے کا ایک

مٹھان لاویجئے، تو آپ کہتے ہیں اس مہینے بجٹ میں کوئی گنجائش نہیں۔
اس گھر میں جو کچھ ہے، وہ آپ کا ہے، میں تین میں ہوں نہ تیرو میں۔ نہ
ستلی کی گرہ میں۔“

”دیکھو ایسی باتیں مت کیا کرو۔“

میں نے کب ایسی باتیں کی ہیں، لیکن آج آپ نے جھگڑے کی
ٹھانی تھی۔ صبح اٹھتے ہی مجھ سے کہا، تمہاری عقل کو کیا ہو گیا ہے۔
”میں دیر سے اٹھا۔ پر تم بھی سو رہی تھیں۔“ عزت کا یہ کام
ہے کہ وہ خاوند کو اٹھاٹے۔ اسکو ناشتہ دے۔ اس کے کپڑے
نکالے۔“

”اور اسکو گود میں بٹھا کر دودھ پلاٹے۔ اس کا کلوٹ بدلے۔
اس کی ناک صاف کرے۔“

”اب تم مذاق پر اتر آئیے، یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔“
”جب آپ مذاق اڑائیں تو وہ اچھی بات ہوتی ہے۔ جب میں
کوئی اچھی بات کہہ دوں تو وہ مذاق ہو جاتا ہے۔“
”اب تم سے کون بحث کرے۔ چھوڑو اس قصے کو۔ مجھے دفتر
جانا ہے۔ جاؤ ناشتہ تیار کراؤ۔“

”آپ خود ہی تیار کرائیے — یہ کیا ضروری ہے کہ ہر روز میں ہی یہ کام کیا کروں“

”تو اور کون کرے گا“

”آج آپ کیجئے — کل کا دیکھا جائے گا۔“
 ”میں اس تک بک بک میں کبھی نہیں پڑوں گا۔ — ناشتہ کئے بغیر چلا جاؤں گا“

”وہاں دفتر میں کینیٹن جو ہے — وہاں آپ پُر تکلف ناشتہ کریں گے“
 ”ایک دو انڈے کھا لوں گا — تمہیں معلوم ہی ہے کہ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کھا سکتا“

”مرغ کی چار ٹانگیں تو آپ بڑی رغبت سے کھا لیتے ہیں“
 ”انڈوں میں ٹانگیں کہاں ہوتی ہیں؟“
 ”کیسے نہ کہیں ہوتی ہوں گی — آخر انڈوں ہی سے تو مرغ مرغیاں پیدا ہوتی ہیں“

”اس میں کوئی شک نہیں — لیکن سوال یہ ہے کہ انڈہ صرف انڈہ ہوتا ہے — مرغ، مرغ اور مرغی مرغی — تم کیا مرغی کو انڈہ بنا سکتی ہو — یا انڈے کو مرغ؟“

”یہ کیا بے ہودہ گفتگو ہے؟“

”ہر وہ بات جو دلیل پر مبنی ہو، تمہاری نظر میں بے ہودہ ہوتی ہے۔
معلوم نہیں ہودہ بات کیسی ہوتی ہے جو تمہیں پسند آئے — مجھے کوئی ایسی
لعنت تیار کر دو، جس کے مطابق میں تم سے گفتگو کر لیا کروں، تاکہ تمہیں اعتراض
کا موقع ہی نہ ملے۔ میں بڑا بخوردار قسم کا شہر ہوں۔“

”کیا کہنے ہیں آپ کے — آپ تو فرشتہ ہیں۔ فرشتہ!“

”مجھے فرشتہ نہ کہو — مرزا غالب نے کہا ہے

”پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے کہے پہ ناحق — آدمی کوئی ہمارا
دم نہ کر رہی تھا؟“

”میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا“

”چلو یہ بھی اچھا ہوا — تمہاری سمجھ میں جو بات نہ آئے وہ دراصل
بات ہوتی ہے۔“

”یہ اپنی فلاسفی چھوڑیے، اور مجھے بتائیے کہ صبح اٹھتے ہی آپ نے
مجھ سے جھگڑنا کیوں شروع کر دیا؟ — آپ نے کم از کم میرا آدھا گھنٹہ
ضراب کر دیا ہے۔“

”وہ اچھا ہو جائے گا — تم مجھ سے جو کچھ پوچھنا چاہتی ہو پوچھ لو۔“

”میں آپ سے پوچھ تو رہی تھی کہ آپ نے صبح اٹھتے ہی مجھ سے جھگڑنا کیوں شروع کر دیا۔“

”کس کم بخت کو یاد رہا ہے کہ میں نے تم سے جھگڑنے کی قسم کی کوئی بات کی ہو۔“

”آپ کو اپنی کوئی بات کبھی یاد نہ رہی ہے۔ ہر وقت تو شراب کے نشہ میں دھست رہتے ہیں۔“

”خدا و احد شاہد ہے، میں نے ایک مہینے سے ایک قطرہ بھی نہیں

پیا۔“

”اور یہ جو خالی بوتلیں، میں ہر آٹے دن بچتی ہوں، کہاں سے آتی ہیں۔“
مجھے معلوم نہیں۔ پہلے کی پٹری ہوں گی۔“

”پہلے کی پٹری ہوں گی!۔۔۔ اب آپ ایسا کیجئے کہ اپنی خالی بوتلیں باہر چپٹیک دیا کیجئے تاکہ مجھے پتہ نہ چلے کہ آپ نے خود اور اپنے دوستوں کو کتنی پلائی ہے۔“

”میں خالی بوتلیں تمہارے کہنے پر باہر چپٹیک دیا کروں گا۔ لیکن نقصان تمہارا ہی ہوگا۔“

”مجھے یہ نقصان قبول ہے۔“

”یہ تو بہت اچھی اور مبارک بات ہے۔“

”اچھی اور مبارک آپ کے لئے ہے۔ میرے لئے نہیں۔“
آپ مجھے یہ بتائیے کہ آپ نے مسیح سویرے مجھ سے جھگڑا کیوں مول
لیا

”جسٹن، تم اتنی عقل مند بنی پھرتی ہو، اتنا بھی نہیں سمجھتی ہو۔“
”عقل تو خیر خدا نے صرف آپ ہی کو دی ہے۔ میں آپ کی
رمزوں کو کیا سمجھوں گی۔ آپ خود مجھے بتادیں کہ اس درجہ تلخ کیوں ہوئے“
”معمولی سی بات ہے۔ لیکن۔ میں نے ساری رات کانٹوں پر
گزاری“

”وہ کیوں؟“

”تم پہلے تو خراٹے لیتی رہیں۔ جب میں نے تنگ آکر تمہیں کروٹ
بدلنے کے لئے کہا تو تم نے اگلے شکوے شروع کر دیئے“
”کیا؟“

”تمہاری اپنی دماغی اختراع تھے۔ یہ کہ میں کسی لڑکی سے عشق لڑا
رہا ہوں، اس کو ہزار بار وہ پے در پے چکا ہوں“
”مجھے اس کے بارے میں کچھ علم نہیں“

”بیگم صاحب — ایک خط لے کے آیا ہے کوئی“
 ”صاحب کے لئے ہے“

”لے آؤ — کہہ دنیا کہ انہوں نے وصول کر لیا ہے“
 ”میں خراٹے لیتی رہی — اور گلے شکوے کرتی رہی — میں
 اصل میں ہوش مند تھی — یہ خط ہے جناب کی اس معشوقہ کا جس سے
 آپ آج کل رومان لڑا رہے ہیں“

سعادت حسن منٹو

۲۲ نومبر ۱۹۵۴ء

ایک سچی کہانی

۵

نغم چل چل رہے نوجوان کی ناکامی کا صدمہ ہمارے دل و دماغ سے
 قریب قریب مندل ہو چکا تھا۔ گیان کمر جی، فلمستان لیڈ کے لئے ایک
 پروپکٹڈ کہانی لکھنے میں مصروف تھے۔

کہانی لکھنے لکھانے اور اسے پاس کرانے سے پیشتر نغمی حیونت
 اور اس کے شوہر ورنیڈ ڈویسائی رجن کو اب نغمی نے علیحدہ کر دیا ہے،
 کنٹرکٹ ہو چکا تھا۔ غالباً پچیس ہزار روپے ایک سال اس کی میعاد تھی
 مگر ششودہر کمر جی حسب عادت سوچ بچار میں دس بیسے گزار چکے تھے
 کہانی کا ڈھانچا تھا کہ تیار ہونے ہی میں نہیں آتا تھا بعد مشکل و بھول توں کر کے
 ایک خاکہ معرین وجود میں آیا۔ جسے گیان کمر جی اپنی جیب میں ڈال دہلی

روانہ ہو گئے تاکہ زبانی طور پر اس میں کچھ اور چیزیں ڈال کر حکومت سے پاس کرالیں۔

خاکہ پاس ہو گیا۔ جب شوٹنگ کا مرحلہ آیا تو وزید رٹولیسائی نے یہ مطالبہ کیا کہ اس کے ساتھ ایک برس کا نیا معاہدہ کیا جائے، اس لئے کہ پہلے معاہدے کی میعاد ختم ہونے والی ہے، مقدمے بازی ہوئی، اس طرح اس پروپیگنڈا فلم جس کی کہانی کا اچھی صرف غیر مکمل خاکہ ہی تیار ہوا تھا پچیس ہزار روپوں کے بوجھ تلے آگئی۔

رائے بہادر کو بہت عجلت تھی کہ فلم جلد تیار ہو، کیونکہ وقت بہت ضائع ہو چکا تھا۔ چنانچہ جلدی جلدی میں وئی صاحب کو بلا کر ان کی بیوی ممتاز شانتی سے کٹر ٹکٹ کر لیا گیا۔

دو دن شوٹنگ ہوئی۔ ممتاز شانتی اور اشوک کمار کے درمیان مختصر سا مکالمہ تھا جو بڑی مین مینج کے بعد فلمایا گیا، مگر جب اسے پروبے پر دیکھا گیا، تو سب نے ممتاز شانتی کو نا پسند کیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ممتاز شانتی کو فلم سے علیحدہ کر دیا گیا، اس بہانے سے کہ جو کمرہ اسے کہانی میں ادا کرنا ہے، اس کے لئے مناسب و مجوز نہیں کیونکہ اس میں ایسے کئی مقام آئیں گے۔ جہاں ہیروئن کو اپنے جسم کے بعض

حصہ کی عریاں نمائش کرنا پڑے گی۔

اب کہانی کا نام مکمل ڈھانچہ اتالیس ہزار روپے کے نیچے دبا پڑا تھا۔ رائے بہادر جو فی لالی، لال پیلے ہو رہے تھے، چل چل کر رے نوجوان کی ناکامی نے کمپنی کی حالت بہت تنگی کر دی تھی مارواڑیوں سے قرضے لے کر گزارہ بعد شکل ہو رہا تھا۔ رائے بہادر کی تنگی اور پریشانی سب سے ایک دن میں دانتا پانی اور اشوک اسٹوڈیو کے باہر کرسیوں پر بیٹھے کمپنی کی اپنی حمایتوں کا ذکر کر رہے تھے جن کے باعث آنا قیمتی وقت اور اتنا روپیہ ضائع ہوا کہ اشوک نے انکشاف کیا کہ جو چودہ ہزار رائے بہادر نے ممتاز شانتی کو دیئے تھے وہ انہوں نے اس سے قرضہ لئے تھے۔ اشوک نے یہ انکشاف اپنی کافی پنڈلی کھولتے ہوئے کچھ اس انداز سے کیا کہ ہم سب بے اختیار ہنس پڑے۔ لیکن فوراً ہی ہم چپ ہو گئے۔

سامنے سب سے بڑی روش پراکٹک اجپن عورت ہماری بھاری ہنسی پر کم بہرہ ویر کے ساتھ میک اپ روٹم کے طور پر بھاڑتی تھی۔

ڈانارام پانی نے اپنے کاسے، مرسے اور بد شکل ہونٹ دکائے۔

اور خوفناک طور پر آگے بڑھے ہوئے سیدھے پیلے دانتوں کی نمائش کی اور دایا کو کمپنی کا ٹھکانہ سے کرا اشوک سے مخاطب ہوا۔ یہ کون ہے؟

نے پاتی کے سر پر ایک دھول جھانسی سالے نوکیوں پر چھتا ہے۔
 پاتی بدلہ لینے کے لئے اٹھا تو داچا نے اس کی کلائی پکڑائی بیٹھے جا
 سالے۔ مت جا ادھر تیری تو شکل دیکھتے ہی بھاگ جائے گی۔
 پائی اپنے اوئدے سیدھے دانت پیتا رہ گیا۔ اشوک جو ابھی تک
 خاموش بیٹھا تھا بولا "شکل صورت سے تو اچھی خاصی ہے"
 میں نے ایک لحظے کے لئے غور کیا اور کہا "یاں — نظروں پر گراں
 نہیں گزرتی۔"

اشوک میرا مطلب نہ سمجھا کہاں سے نہیں گزرتی؟
 میں مسکرایا "میرا مطلب یہ تھا کہ جو عورت یہاں سے گزر کر گئی ہے اسے
 دیکھ کر آنکھوں پر بوجھ نہیں پڑتا۔ بڑی صاف ستھری ہے، لیکن توڑکی ذرا
 جھوٹی ہے۔"

پائی نے پھراپنے دانتوں کی نمائش کی اربے — چلے گی —
 کیوں داچا؟

داچا پائی کے سبائے اشوک سے مخاطب ہوا "دا وانی اتہم جانتے
 ہو یہ کون ہے؟"

اشوک نے جواب دیا "زیادہ نہیں جانتا، مگر جی سے نہ بتانا معلوم"

ہوا تھا کہ ایک عورت ٹسٹ کے لئے آج آنے والی ہے۔
 کیمرا اور سائڈ ٹسٹ لیا گیا۔ جسے ہم سب نے پروے پر دیکھا اور
 اپنی اپنی رائے دی، مجھے، اشوک اور واجا کو وہ بالکل پسند نہ آئی۔ اس لئے
 گزہ اس کی جسمانی حرکات چربی تھیں۔ اس کے اعضا کی ہر جنبش میں نقص تھا
 مکالمہ ادا کرتے وقت اس کے ابرو پیشہ در رتھا صاؤں کی طرح ناچتے تھے
 مسکراہٹ بھی غیر دلکش تھی — لیکن پائی اس پر لٹو ہو گیا۔ چنانچہ اس نے
 کئی مرتبہ اپنے بدنمادانتوں کی نمائش کی اور کمر جی سے کہا کہ ونڈر فل اسکرین
 نہیں ہے۔

وقتارام پائی فلم ایڈیٹر تھا۔ اپنے کام کا ماہر فلمستان چونکہ ایک ایسا ادارہ
 تھا جہاں ہر شعبے کے آدمی کو اظہار رائے کی آزادی تھی اس لئے وقتارام پائی
 وقت بے وقت اپنی رائے سے ہم لوگوں کو مستفید کرتا رہتا تھا اور خاص طور
 پر میرے سمجھنے سے دوچار ہوتا تھا۔

ہم لوگوں نے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔ لیکن ایس کمر جی نے جس کا نام ہمارا
 تھا اس عورت کو پروڈیگنڈہ فلم کے لئے منتخب کر لیا چنانچہ رائے بہادر
 جی لالی نے فوراً اس سے ایک فلم کا کنٹریکٹ معمولی سی تنخواہ پر کر لیا۔
 اب پارو بہر روز اسٹوڈیو آنے لگی۔ بہت ہنس مکھ اور گھٹو مٹھو

ہو جانے والی طوائف تھی، میرٹھ اس کا وطن تھا، جہاں وہ شہر کے قریب قریب تمام رنگین مزاج رئیسوں کی منظور نظر تھی ہزاروں میں کھیلتی تھی، پر اسے فلموں میں آنے کا شوق تھا، چنانچہ یہ شوق اسے کھینچ کر فلستان میں لے آیا۔

جب اس سے مکمل کے باتیں کرنے کا موقع ملا تو معلوم ہوا کہ حضرت جوش طبع آبادی اور مٹر سا غر فظامی بھی اکثر اس کے ہاں آیا جایا کرتے تھے اس کی زبان بہت صاف تھی، اور جلد ہی جس سے میں بہت زیادہ متاثر ہوا۔ چھوٹی آستینوں والے پھنسنے پھنسنے بلاؤز میں سے اس کی ننگی باہیں بائیں کے دانتوں کی طرح دکھائی دیتی تھیں، سفید، سٹڈل مناسب اور خوبصورت۔ جلد میں ایسی چکنی چمک تھی جو ولو، لکڑی پر زندہ پھرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ صبح سٹڈ لیا آتی، سنہائی دھوئی، صاف ستھری، اُجلی سفید یا ہلکے رنگ کی ساری میں ملبوس، شام کو جب گھر روانہ ہوتی تو دن گزرنے کے گرد و غبار کا ایک ذرہ تک اس پر نظر نہ آتا۔ ویسی ہی تروتازہ ہوتی جیسی صبح کو تھی۔

دنا رام پائی اس پر اور زیادہ لٹو ہو گیا۔ شوٹنگ شروع ہوئی نہیں تھی اس لئے اسے فراغت ہی فراغت تھی، چنانچہ اکثر پاروں کے ساتھ

باتیں کرنے میں مشغول رہتا۔ معلوم نہیں، وہ اس کے بھونڈے اور گرت لہجے اس کے اوندھے سیدھے میلے دانتوں اور اس کے ان کٹے میل بھرے ناخنوں کو کیسے برداشت کرتی تھی۔ صرف ایک ہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ عوائل اگر برداشت کرنا چاہے تو بہت کچھ برداشت کر سکتی ہے۔

پراپیٹڈ فلم کی کہانی کا ڈھانچہ میرے لئے کیا گیا کہ میں اس کا بغور مطالعہ کروں، اور جو ترمیم و ترمیم میری سمجھ میں آئے، بیان کر دوں۔ میں نے اس ڈھانچے کے تمام جوڑ دیکھے۔ اور اس نتیجے پر پہنچا کہ ایسا بے جوڑ ڈھانچا شاید ہی کسی سے تیار ہو سکے۔ کوئی سر جھٹکا نہ پیر لیکن چونکہ میری قابلیت اور ذہانت کا امتحان تھا۔ اس لئے میں نے اپنا ڈھانچا تیار کیا بڑے خلوص اور بڑی محنت سے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ڈائریکشن کے فرائض سٹاؤک و اچا کو سونپے جانے والے تھے۔ جو میرا عزیز دوست تھا نیا ڈھانچا جب فلسطین کی فل بنچا کے سامنے پیش ہوا تو میری وہ حالت تھی جو کسی مجرم کو ہو سکتی ہے۔

ایس کرچی نے اپنا فیصلہ دیا ٹھیک ہے مگر اس میں اصلاح کی کافی گنجائش ہے۔

گیان مکر جی سے پوچھا گیا تھا کہ انہوں نے اپنی عادت کے مطابق منہ
 سکڑ کر صرف اتنا کہا "آل موسٹ ٹھیک ہے"۔ یہ وہ حضرت تھے
 جو ایس مکر جی کے ڈائریکٹ کہے ہوئے تمام فلموں کے ڈائریکٹر تھے۔
 حالانکہ انہوں نے اپنی زندگی میں "فٹ بھی فلم ڈائریکٹ نہیں
 کر گئی تھی۔"

اصل میں فلمستان میں کام کرنے کا ڈھب ہی ٹرانا تھا سہارا فلم آپ
 نے ڈائریکٹ کیا ہے۔ لیکن پردے پر نام میرا دیا جا رہا ہے۔ کہانی میں
 نے لکھی ہے۔ لیکن اس کا مصنف آپ کو بنا دیا گیا ہے۔ بات یہ تھی
 کہ وہاں سب مل جل کر کام کرتے تھے۔ آپ اس سے اندازہ کر لیجئے کہ
 "تارام پائی" جیسے معلوم ہی نہیں تھا کہ فلمی کہانی کیا ہوتی ہے مجھے شہرے
 دیا کرتا تھا۔

پراپیگنڈہ فلم کی کہانی لکھنے کی دشواریاں کچھ وہی سمجھ سکتا ہے جس
 نے کبھی ایسی کہانی لکھی ہو۔ سب سے زیادہ مشکل میرے لئے یہ تھی کہ
 نیچے پار کو اس کی مشکل و صورت اس کے تدارک اس کی فنی کمزوریوں
 کے پیش نظر اس کہانی میں داخل کرنا تھا۔ بہر حال بڑی محنت پاشیوں کے
 بعد تمام مراحل طے ہو گئے۔ اور کہانی کی نوک پلک نکل آئی۔ اور شوٹنگ

شروع ہو گئی۔

ہم نے باہم مل کر مشورہ طے کیا کہ جن مناظر میں پاروکا کام ہے وہ سب سے آخر میں فلماٹے جائیں تاکہ پاروکا فلمی فضا سے اور زیادہ مانوس ہو جائے اور اس کے دل و دماغ سے کیمرے کی جھجک نکل جائے۔ کسی منظر کی بھی شوٹنگ نہ ہو، وہ برابر ہمارے درمیان ہوتی۔ دتارام پائی اب اس سے اتنا کھل گیا تھا کہ باہم مذاق بھی ہونے لگے تھے۔ پائی کی یہ چھیڑ چھاڑ مجھے بہت مبذول معلوم ہوتی۔ چنانچہ میں پاروکا کی عدم موجودگی میں اس کا تمسخر اڑاتا۔ کم بخت بڑی ڈھٹائی سے کہتا: سارے تو کیوں جلتا ہے؟

جیسا کہ میں اس سے پہلے بیان کر چکا ہوں، پاروکا بہت ہنس مکھ اور گھلوں مٹھو ہو جانے والی طوائف تھی۔ اسٹڈیو کے ہر کارکن سے وہ ادب و رنج نیچ سے بے پرواہ بڑے تپاک سے ملتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تھوڑے ہی عرصے میں مقبول ہو گئیں۔

پاروکا کیلی نہیں تھی، اس کے ساتھ ادھیڑ عمر کا ایک مرد تھا جو قد و قامت میں اس سے دو گنا تھا۔ میں نے دو تین مرتبہ اسے پاروکا کے ساتھ دیکھا۔ وہ اس کی پتی دیکھ کر اور تھا مو "زیادہ نظر آتا تھا۔"

پار دیں عام طور انہوں ایسا بھر کیلایا یا چھوڑا پن نہیں تھا۔ وہ مہذب محفلوں میں بیٹھ کر بڑی شائستگی سے گفتگو کر سکتی تھیں، اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ میرٹھ میں اس کا تعلق ادنیٰ سوسائٹی کے اس طبقے سے تھا جو کبھی کبھی شائستگی کی طرف محض تفریح کی غرض سے مائل ہو جاتا ہے۔

پار داب اسٹڈیو کی فضا میں رچ گئی تھی۔ فلمی دنیا میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب کوئی عورت یا لڑکی نئی نئی ایکٹریس بنتی ہے، تو اس کو کوئی نہ کوئی فوراً دبوچ لیتا ہے لیکن پار دے ساتھ ایسا نہ ہوا۔ شاید اس لئے کہ فلسطین دوسرے لگاؤ خانوں کے مقابلے میں بہت حد تک "پاکباز" تھا۔ ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ پار دے کو کوئی اتنی مہلت نہیں تھی۔

شوٹنگ شروع ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیمرے، مائیک اور دیگر کن روٹینوں سے قطعاً مرعوب یا خائف نہیں، مگر جب "ٹیک" کا وقت آیا تو اس کا سارا وجود چوہی ہو گیا۔ ہم نے بہت کوشش کی کہ اس کا چوہی پن دور ہو جائے۔ مگر ناکام رہے۔

اشوک کمار طبعاً "جینس" قسم کا آدمی ہے، وہ کسی عورت سے کھلم کھلا اظہار عشق نہیں کر سکتا اب سنا ہے کہ کرنے لگا ہے اس کو پار دے پسند نہیں تھی لیکن اس میں اتنی جرات نہیں تھی کہ اس سے جسافی تعلق پیدا کرنا۔

عجیب بات ہے کہ اشوک ایسا ڈرپوک اور جھپٹواندرونی طور پر سادیت پسند تھا۔ اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ وہ چونکہ اپنے جذبات و بادینہ کا مادی ہے، اس لئے ردِ عمل کی صورت میں اس میں یہ سادیت پیدا ہو گئی تھی۔

ہم دونوں اکٹھے اسٹڈیو سے کار میں جایا کرتے تھے۔ موٹر اس سڑک پر سے بھی گزرتی، جس سے لمحہ گلی میں پاروکا فلیٹ تھا۔ ایک شام کو جب ہم وہاں سے گزر رہے تھے تو اشوک نے موٹر پر کرکچ سے کہا: آج ہولی کی خوشی میں پاروکا نے مجھے دعوت دی ہے۔ بولو، جاؤں، یا نہ جاؤں۔

مجھے کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ میں نے کہا جاؤ۔ ضرور جاؤ۔ کئی دن گزر گئے۔ شوٹنگ باقاعدہ ہو رہی تھی۔ ایک شام جب میں اور اشوک واپس گھر جا رہے تھے تو شیواجی پارک کے پاس جہاں پاروکا فلیٹ تھا۔ اشوک نے موٹر کی رفتار کم کی اور مجھ سے مخاطب ہوا، غلطی تمہیں ایک دلچسپ بات بتاؤں،

بتاؤ۔

اشوک ہنسنے لگا میں پاروکا کے ہاں گیا۔ کھانا کھانے سے فارغ ہوں

تو وہ میرے ہاتھ دھلاانے کے لئے اٹھی۔

میں نے اس سے کہا "یہ دلچسپ بات کیا ہوئی۔"

اس نے موٹر روک لی اور اس نلیٹ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

جس میں غالباً پارہ موجود تھی۔

جب غسل خانے میں اس نے مجھے تولیہ دیا تو آہستہ سے کہا: کل آپ

اکیلے آئیے۔ شام کو ساڑھے چھ بجے۔ میں گھر گیا اور تولیہ وہیں

پھینک کر چلا آیا۔"

میں نے اس سے پوچھا کیا تم اُس روز ساڑھے چھ بجے اس کے

ہاں۔ گئے۔"

"ہاں" اشوک نے اسٹیرنگ وھیل سے ہاتھ ہٹائے "لیکن وہاں سے

بھاگ آیا۔"

میں تفصیل جاننا چاہتا تھا لیکن وہ اس سے گریز کر رہا تھا۔ "میں

بڑا ڈرپوک ہوں۔" جانتے مجھے ایسے موقعوں پر کیا ہو جاتا ہے۔ اُس

نے مجھے صوفے پر بٹھایا۔ آپ تالین پر میرے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔

دوپٹیک مجھے پلائے۔ خود بھی تھوڑی سی سی پی اور پھر۔ اور پھر وہ لگی

اپنی محبت جگاتے۔ پس سنتا رہا اور کانپتا رہا۔ جب اس نے میرا ہاتھ

دبایا تو میں اُسے بڑے زور سے جھٹک دیا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو آگئے
لیکن فوراً کہیں غائب ہو گئے۔ وہ مسکراتے لگی۔

— بھیا اشوک! میں تو آپ کا امتحان لے رہی تھی۔ میں نے
کچھ نہ کہا اور نیچے اتر گیا۔

— کار میں بٹھا۔ گھر پہنچ کر میں نے آدھا پیگ پی کر سوچا، تو
بڑا افسوس ہوا۔

— کیا ہرج تھا اگر میں۔

اشوک کے لمبے میں تاشف تھا۔

سعادت حسن منٹو

۲ ستمبر ۱۹۵۴ء

ایک خبر

”آپ نے آج کبے اخبار پڑھے“

”نہیں تو“

”پہلے تو آپ باتا مدگی سے ہر اخبار پڑھا کرتے تھے۔ اب وہ پڑھے ہک

مارتے رہتے ہیں“

”دراصل مجھے اب دنیا کے کاروبار سے کوئی دلچسپی نہیں رہی“

”دیکھو؟۔ آپ ابھی اتنے بوڑھے تو نہیں ہوئے کہ دنیا سے آپ کو

کوئی دلچسپی نہ رہے“

”بات یہ ہے کہ میں آکٹا گیا ہوں۔ اخبار اٹھاؤ۔ اس میں سب سے پہلے

یہ سرفی نظر آنے لگی کہ فلاں قسم کا بم فلاں ملک تیار کر رہا ہے جو ایٹم بم کے مقابلے میں

ایک ہزار گنا ہلاکت آفرین ہو گا۔ آفرین ہے ان بربنائے دالوں پر۔ میری بچہ میں نہیں آتا کہ
خدا ان سائنسدانوں کو ہلاک کیوں نہیں کرتا۔

نہ آپ ان کی ہلاکت کی دعائیں کیوں مانگتے ہیں۔ سب سے پہلے یہ دعا کیجئے کہ
میرا قصہ پاک ہو۔

”تمہارا قصہ تو ہمیشہ پاک رہا ہے۔ ایک میرا جی قصہ ہمیشہ سے پاک چلا آ رہا
ہے۔ میں نے یہ شمار دعائیں مانگی ہیں کہ کہ کسی نہ کسی طرح ختم ہو، مگر میرے ہی میں
نہیں آتا۔“

”اپنے آپ ختم ہو جائے گا۔ پس تھوڑے دن اور انتظار کیجئے۔“

”خدا آپ کی زبان مبارک کرے۔“

”ہیں۔ میں پوچھتی ہوں، آپ اپنی زندگی کے پیچھے کیوں اس طرح ہاتھ دھو کر
پڑھتے ہیں۔“

”میں نے صبح سے اب تک ہاتھ دھوئے نہ منہ۔“

”ایک ہی مذاق کرنا آتا ہے۔ سناٹا میں اور آپ ہیں کیا فرق باقی رو گیا ہے۔“

”دیکھو سلیم۔ میں اس قسم کے غیر شرعی رجز و کلمات سننے کے لئے تیار نہیں۔ تم واپس آتے

انداز میں لپٹا شک لگاتی ہو، لیکن میں نے کسی تم سے کوئی ایسا جملہ نہیں کہا کہ بڑی سی
گھوڑی آواز لگام سے۔“

”خدا آپ کی زبان مبارک کرے۔“

”کہہ دو یا جو کہنا تھا۔ خرد دار جو آپ نے پھر کبھی ایسی زبان دلا دی کی۔“
 ”اب، دیکھو۔ دیکھو، رنگ پر ایک نقطہ کے لئے ہاتھ رکھ دیا تو تم تڑپ اٹھیں مجھے
 تم گالیاں دیتی ہو اور میں برداشت کرتا ہوں۔ یہ بھی کوئی انصاف ہے۔“
 ”انصاف کسے خدا میں کہہ آئے ہیں۔ آپ وہاں سے۔۔۔“
 ”کہاں سے؟“

”جیسے کہ معلوم کہاں سے کہہ رہے ہیں تو صرف اتنا ہی جانتی ہوں کہ اس روز
 میری قسمت پھوٹ گئی تھی، جب میرے ماں باپ نے مجھے آپ کے پلے باندھ دیا۔
 خدا انہیں جنت نصیب کرے۔ مگر ان کی ہڈیاں یقیناً قرین۔ بے چین ہوں گی۔ میری بھین
 کیا ان تک نہیں پہنچتی ہوں گی؟“

”یقیناً پہنچتی ہوں گی۔ اور اللہ جیسے مہربان والدین بھی ہیں وہ بھی یقیناً اپنی اپنی
 قبر میں تڑپتے ہوں گے کہ ہم نے اپنے لئے جگہ کے ساتھ کتنا برا ظلم کیا۔“

”ظلم کیا؟ کیسا ظلم؟“ ”کہ ایک بھیر آپ کے حوالے کر دی۔“
 ”معاف کرنا۔ یہ بھی تو خوفناک سا ٹڈی۔ جس کے نقصوں سے آتش فشاں
 پہاڑ کا سناٹا اور وقت نکلتا رہتا ہے۔“

”بس رہنے دیجئے، اپنی یہ بکواس۔“

”تم دن رات دریاہ میں نہا رہے ہو، یاد رکھو اگر کسی مجھے غصہ کر گیا۔“

”یہ تو ہے جو کہہ رہا ہے۔“

”کیا بگاڑ لیس گئے آپ میرا؟“

”میں تمہارا کچھ بگاڑنا نہیں چاہتا۔ تمہیں بگاڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے جب کہ تم

پلے ہی سے مگرڑی ہوئی ہو۔“

”کیسے؟ کیا میں کوئی خراب عورت ہوں، قاحشتہ ہوں؟“

”لاحول و لا قوۃ الا باللہ۔ یہ تم سے میں نے کب کہا۔ اصل میں تمہارا دماغ فصیح حالت میں نہیں،

”میرا دماغ فصیح حالت میں نہیں، کہ آپ کا، جو ایسی اُول بلول باتیں کر رہے ہیں،“

”اچھا بھی میرا دماغ ہی ماؤن ہے، مجھے غش دو۔ مجھے سونے دو۔“

”آپ کو معلوم ہے اس وقت کتنے بج رہے ہیں؟“

”مجھے دوجو بتا ہے، ہیں کون سے دفتروں میں حاضری دینا ہے۔“

”یہی تو ساری مصیبت کی جڑ ہے۔ اگر آپ کو کسی دفتر میں ہر روز حاضری دینا پڑتی تو

آج یہ نوبت نہ آتی کہ ڈھائی بجنے والے ہیں اور آپ ابھی تنگ بستر پر منسراحت

فرما رہے ہیں۔“

”ڈھائی بجنے والے ہیں۔“

”جی ہاں۔“

”تو اس کا یہ مطلب ہے کہ میں نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا؟“

”ناشتہ آپ کیا کرتے۔ دوپہر کا کھانا بھی پڑا پڑا منڈا ہو گیا ہے لیکن لمبی تلنے

سوئے رہے۔

”کون کم بخت سویا، میں تو مرث لیٹا تھا تاکہ تمھیں دور درجہ سے“

”اُپ نے کون سے بل جوئے سے کہ آپ اس قدر نہ حال ہو گئے کسی دفتر میں

اُپ مانہ میں نہ کسی سرکار کی ٹھیکے کے انچارج، پڑے مکھیاں مارتے رہتے ہیں“

”مکھیاں مارنا بڑا کھن کام ہے۔ تم بچے ایک کھن مار کے دکھا دو تو ان جاؤں“

”اب گے میرا امتحان لینے۔ کھن مارنا کیا مشکل ہے۔“

”یہاں اس کمرے میں آپ کی طفیل کافی مکھیاں موجود ہیں جنہوں نے مجھ پر آرام

اد پرہین حرام رکھا ہے۔ آپ ایسا کیجئے، ان ہزاروں میں سے ایک کھن مجھے مار کے دکھائیے ہیں

اُپ کا غلام بن جاؤں گا“

”ایک کیا۔ میں ساری ختم کئے دیتی ہوں۔ یوں چکیوں میں“

”اچھا۔ دیکھتے ہیں۔!“

”آپ کے دیکھتے دیکھتے تو یہ سب کی سب ختم ہو چکی ہوں گی“

”خدا تمہاری زبان مبارک کرے“

”میں اس شکے سے ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دوں گی“

”پہلی اس کھن سے کرو جو بار بار میری ناک پر ٹپکتی ہے۔ معلوم نہیں اس کو میری

ناک سے اتنی گہری دلچسپی کیوں پیدا ہو گئی ہے۔“

”پہلے بسم اللہ اسی سے جوتی ہے، ہست تیری“

”میری ناک، دیکھئے، اپنی جگہ پر ہے کہ اڑ گئی۔“

”آپ کی ناک کہاں اڑے گی۔ اتنی بڑی ناک، پانچواں سی ہے۔ یہ سبھا کہاں اڑ سکتی

ہے۔ آپ اڑ جائیں تو اڑ جائیں، مگر یہ اپنی جگہ پر ہی سلامت رہے گی۔“

”وکتی کا کہا ہوا“

”مر گئی ہوگی“

”ذرا اُس کی تلاش کی تلاش کیجئے تاکہ مجھے اطمینان ہو۔“

مجھے تنگ کر رہی تھی۔ خدا کی قسم میرا جی چاہتا تھا کہ اپنی ناک سڑک ٹالوں۔ نہ رہے ہانس

نہ بچے ہانسری۔ پر اپنی ناک کون کاٹ سکتا ہے۔ اس کو تو بیٹھ دوسرے ہی کاٹتے چلے

آئے ہیں۔ سو میں نے یہ سوچا کہ دوسروں کا کیا بیچنا نہیں، پاس ہے۔ یہی میری غلطی تھی

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں ڈھائی بجے تک لیٹا رہا۔ تم اس کی تلاش تلاش کر رہے تاکہ میری روح

کو تسکین پہنچے۔“

”وہ اڑ گئی تھی“

”لو تو آگئی، پھر میری ناک پر“

”اب کے تو میں چھوڑ دوں گی نہیں“

”دیکھو، میری ناک کو الگ کر دینا تمہیں پکڑے بڑے اچھے لگتے ہیں۔“

”یہ وقت مذاق کرنے کا نہیں۔ میں نے آپ کا چیلنج قبول کیا ہے۔ اب اگر آپ کی ناک جائے یا کھٹی مجھے اس کی کوئی پروا نہیں۔“

”دیکھو احتیاط سے“

”جنگ میں ہر چیز ہاتھ ہے۔“

”خدا کے لئے تم سوچ مجھ کو قدم اٹھایا کرو۔ ایک کتھی مارنے کے لئے نیل

ٹینس کے بیٹ کی کیا ضرورت ہے؟“

”ہتیار ہے۔ پنکھانا کام ثابت ہوا تو میں نے اسے نکال۔ آپ خاموش رہیں۔“

”میری ناک گئی۔ اوہ، میرے خدا۔ کتنی زبردست چوٹ لگی ہے۔ بھلا اٹھا ہوں۔“

”کھٹی بھی تو مر چکی ہے“

”خدا کے مر چکی ہو۔ لودہ پھرا گئی“

”بڑی ڈھیسٹ ہے۔“

”عورتیں اور مکھیاں ہوتی ہی ڈھیسٹ ہیں“

”عورتیں اگر مکھیاں ہوتیں تو آپ کی طبیعت صاف کر دیتی۔ ابھی یادہ گوئی بند

کیجئے۔ اور دیکھئے کہ میں کس طرح اس چمکو مکھی کو ہلاک کر تی ہوں“

”اس کو ہلاک کرتے کرتے تم مجھے ہلاک کر دو گی۔ میں مکھی کو ہٹا دیتا ہوں، تم ذرا

مختوری دیر کے لئے میری ناک سہلا دو کہ میں تمہارے تھکے کے لئے تیار ہو جاؤں۔“

”کبھی تو آپ نے اُڑ دی“

”ابھی آجائے گی۔ اس کو میری ناک سے پیار ہو گیا ہے“

”ناک آئے گی اب“

”تو فی الحال تم کسی دوسری کبھی کو مارنے کی کوشش کرو۔ ہزاروں ہیں“

”ہنسیا، بسم اللہ مجھے اسی کبھی سے کتاب ہے“

”کرو۔ خدا تمہیں کامیابی نصیب کرے“

”ابھی تک آئی نہیں۔“

”آجائے گی۔ کچھ فکر نہ کرو۔ وہ کبھی بھی بالکل تمہاری طرح ہے۔ میرا بچا کبھی

نہیں چھوڑے گی“

”رجنم میں جانتے وہ کبھی اوروں میں جائے، آپ کی ناک۔ مجھے آپ نے کیا کچھ

رکھا ہے۔ بار بار مجھے ذلیل کئے چار ہے ہیں۔ ان کھٹیوں پر میں جیسبتی ہوں ہزار لعنتیں۔ آپ

سے جو میں نے پوچھا تھا اس کا جواب دیجئے

”آپ نے کیا پوچھا تھا“

”رہا آپ کا حافظہ بھی انا کمزور ہو گیا کہ وہ منٹ پہلے کی بات بھول گئے۔“

”کیا پوچھا تھا تم نے“

”میں نے پوچھا وہ پوچھا کچھ نہیں تھا۔ صرف اُن کا تھا کہ آج کے اخبار کیا آپ نے

پڑھے۔“

”گو یا یہ پوچھنا نہ ہوا“

”میں نہیں جانتی۔ آپ تو ہر بات کی میں میں لکھانے کے عادی ہیں“

”میں نے عرض کر دیا تھا کہ میں نے اخبار نہیں دیکھے، اس لئے کہ اب مجھے دینا کے

کسی کادوار سے دلچسپی نہیں رہتی۔“

”دینا جائے، بھائی میں۔ میں ایک خاص خبر کے متعلق آپ سے بات کرنا چاہتی ہوں۔“

”کیا ہے وہ خاص خبر“

”آپ نے پڑھی ہی نہیں، تو میں کیا بتاؤں؟“

”تم نے تو پڑھی ہے۔ مجھے سنا دو۔ آخر ایسی اس میں کون سی بات ہے جس

نے تمہیں اتنا مضطرب بنا دیا ہے۔“

”کوئی بات تو ہوگی ایسی“

”وہ بات کیا ہے؟“

”خبر تھی۔ خبر تھی کہ پٹیل ریاست میں ایک عہدے نے بیک وقت چھاپے۔

چار بچے جنے ہیں۔“

”تو کیا ہوا۔ عورتیں اس سے پہلے بیک وقت چھ بچے پیدا کر چکی

میں جو زندہ ہیں۔“

”میرے والد — یہ کیسے ممکن ہے؟“

”انہریشا میں ہر چیز ممکن ہے۔ لیکن تم اس قدر پریشان کیوں ہو۔“

”بچہ، ڈر ہے — میں بہت خوف زدہ ہوں — مجھے ایسا محسوس ہوتا

ہے کہ“

”کی محسوس ہوتا ہے؟“

”کہ اس کے مجھے بھی کہیں اتنے ہی بچے پیدا نہ کرنے پڑیں۔“

نہرِ خوشِ رانی

”آج گھر میں پانی کی ایک بوند بھی نہیں“

”تو میں کیا کروں؟“

”آپ نے کبھی کچھ کیا ہے۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے، گھر بار کا آپ کو کچھ فکر ہی نہیں۔ بچیتوں کے منہ ہاتھ دھونے ہیں۔ اتنے کپڑے میلے پڑے ہیں۔ انھیں دھونا ہے۔ بادرچی خانے میں میلے کپڑوں کا انبار لگا ہے۔ نوکر انھیں کیسے صاف کرے گا۔ اُس کو تو ایک بہانہ مل جائے گا۔ کہے گا بی بی جی، میں انھیں کیسے دھوؤں۔؟ پانی تو ہے نہیں۔ آپ پانی کا بند و بست کیوں نہیں کرتے کب تک یونہی چلے گا یہ سلسلہ۔؟“

”سبھی، پانی کا بند و بست میں کیسے کروں؟“

”دونوں غسل خانے بدبو سے بھرے ہوئے ہیں۔۔۔“

نہیں سمجھ سکتے نہ ہوتا تو الگ بات تھی۔ آپ تو ہر وقت بس اخبار پڑھتے رہتے ہیں۔ ان سے آپ کو آخر کیا حاصل ہوتا ہے۔ میں تو ایک سطر پڑھ کر ہی تنگ آجاتی ہوں۔ فضول بکواس لکھی ہوتی ہے۔“

”اخباروں کے متعلق تم کچھ نہ کہو۔ عیب دہل کی بات کرو جس کی موثر خراب ہو گئی ہے۔“

”اُس کی بات تو میں کر رہی تھی۔ لیکن آپ نے خواہ مخواہ مجھے نگوڑے اخباروں میں الجھا دیا۔“

”ہر بات میں الجھانے والا میں ہی ہوتا ہوں، حالاں کہ خدا داد شہد ہے، میں نے اخبار کی بات ہی نہیں کی تھی۔“

”بات نہیں کی تھی۔ لیکن آپ اخبار پڑھتے رہے تھے۔ ابھی تک آپ کے ہاتھوں میں ایک اخبار موجود ہے۔“

”اس سے کیا ہوا؟ مجھے دنیا کے حالات سے باخبر رہنا

چاہیئے۔“

”لیکن گھر سے نہیں۔ پانی بند ہے۔ کربلا آئی ہے اور آپ

غافل ہیں۔ دنیا کے حالات سے باخبر ہو رہے ہیں۔“

”بھئی، میرا محبوب دہل پر کیا اختیار ہے۔ آدمی اچانک

بیمار ہو جاتا ہے، کیا موٹر کو کوئی غرضہ لاحق نہیں ہو سکتا۔ ٹھیک

ہو جائے گی — گھبراتی کیوں ہو ؟

”آپ کو گھر سے کوئی دلچسپی ہو تو میں آپ سے کچھ کہوں

صبح میں بے ساگ لیا ہے، اب میں اسے اپنے آنسوؤں سے

دھوؤں !“

”اگر ہو سکتا ہے تو دھو لو —“

”خدا کی قسم آپ جیسا پتھر دل انسان میں نے کبھی نہیں

دیکھا۔ چھوڑ بیٹے اس اخبار کو “

”دیکھو پھٹ جائے گا !“

”پھٹ جائے میری جوتی سے “

”ٹھیک ہے ! میں ایک بڑی دلچسپ خبر پڑھ رہا ہوں —“

”کیسی خبر ؟“

”لوسنر، ایک عورت کو تین سال قید — راجہ ممدی علی

خان میجسٹریٹ درجہ اول نے مسماۃ نور جہاں، اُس کے خاوند

اور ایک اور ملزم کو تین تین سال قید یا مشقت اور سو سو روپے

جرمانے کی سزا دی ہے — عدم ادائیگی جرمانہ کی صورت میں چھ

چھ ماہ کی اور سزا دی جائے گی۔ واقعات یوں بیان کیے جاتے ہیں کہ مسکات نور جہاں کے ایک شخص سے ناجائز تعلقات تھے، جسے ملزم نے اپنے شوہر اور دوسرے ملزم کے کہنے پر حملہ کر دیا۔

”میرے کہیں سے ناجائز تعلقات ہیں؟“
 ”تو یہ۔۔۔ میں نے کب کہا۔۔۔ صرف خبر پڑھ کر سنائی ہے تم تو خدا کی قسم حد کرتی ہو۔“

”میں کیا حد کرتی ہوں۔۔۔ حد تو آپ کرتے ہیں۔۔۔ کوئی شریف خاوند اپنی بیوی پر ایسا کیونہ حملہ نہیں کر سکتا۔“

”سبھی، میں نے کوئی سا حملہ تم پر کیا ہے؟“
 ”میرا نام بھی وہی ہے جو اس کم ذات کا ہے۔“
 ”متمماری ذات تو بہت ادبچی ہے۔ کنگ وائمن ہو۔“
 ”یہ بھرا سر طنز ہے۔“

”تم نے رونا کیوں شروع کر دیا۔؟“
 ”توادر کیا ہنسوں؟ قہقہے لگاؤں۔۔۔ اصل میں آپ مجھ سے بد دل ہو گئے ہیں۔ میں میکے چلی جاؤں گی۔“

”شوق سے جاؤ، مگر بچیوں کا کیا ہوگا؟“
 ”جہنم میں جائیں بچیاں — کسی یتیم خانے میں داخل کروا
 دیجیئے گا۔“

”یتیم تو میں ہوں — میرا باپ زندہ ہے نہ ماں — میں خود
 ہی یتیم خانے میں داخل کیوں نہ ہو جاؤں —“
 ”ہو جائیئے، ساتھ اپنی اولاد کو بھی لیتے جائیئے گا۔ میں
 آج جارہی ہوں۔“

”کہاں —؟“
 ”کہہ تو چکی ہوں، اپنے میکے —“
 ”لیکن ہناؤ سو کر جاؤ۔“

”ہناؤں کیسے —؟ پانی کی ایک بوند بھی گھر میں نہیں“
 ”تم ایسا کیوں نہیں کرتیں — لڑکیوں سے کہو، کسی ماشکی کو بلا
 لاؤ۔ دو تین مشکیں ڈال دے گا۔ آج کا دن آرام سے
 گزر جائے گا۔“

”میں نے بلایا تھا ایک ماشکی کو۔ وہ چار آنے ایک مشک
 کے مانگتا تھا۔ میں نے اُسے رخصت کر دیا۔ میں اتنی چھوٹی سی

مشک کے لیے اتنے پیسے نہیں دے سکتی — صریحاً چور بازاری ہے۔

”ہیکم اس میں چور بازاری کیا ہے — تمہیں معلوم ہے انہیں پانی کہاں سے لانا پڑتا ہے — اس پاس کوئی کنواں نہیں بیوٹی کا کوئی نل نہیں — وہ غریب دُور سے چوری چھپے پانی بھرتے ہیں۔ اگر پکڑیں جائیں تو اُن پر ڈنڈ پڑ جائے۔“

”آپ تو کمیونسٹ ہیں؟“

”لاحول ولا — میں لعنت بھیجتا ہوں ان پر۔“

”لعنت بھیجتے ہیں اُن پر — ! میں آپ کی سرشت کو اچھی طرح جانتی ہوں — صرف گرفتاری کے دُور سے آپ اپنے کمیونسٹ ہونے کا اعلان نہیں کرتے، ورنہ آپ تو پیکے کمیونسٹ ہیں۔“

”یہ بھی عجیب رہی — میں اُن معنوں میں قطعاً کمیونسٹ نہیں ہوں، جو کمیونسٹ اپنے رسالوں میں بیان کرتے ہیں۔“

”خیر چھوڑیئے اس بحث کو، مجھے ہنا نا ہے۔“

”تو ہنا بیئے — آپ کو کہیں نے روکا ہے؟“

” پانی کہاں ہے۔ میں اسی کا رونا تو رو رہی تھی “

” یہ کوئی نئی بات نہیں “

” میں جیسے ہر وقت روتی ہی رہتی ہوں “

” نہیں، نہیں۔ تم کبھی کبھی مسکراتی بھی ہو، ہستی بھی ہو “

” بھنا تو خیر مجھے ابھی تک نصیب نہیں ہوا۔ آپ نے میری

زندگی اجیرن کر رکھی ہے “

” کوئی وجہ بھی تو بتاؤ “

” پانی کے متعلق آپ نے کچھ بھی نہیں کہا “

” میں نے سیکرٹری سے پوچھا تھا۔ اُس نے مجھ سے کہا

کہ ٹیوب ویل کی موڑ کا پمپ کام نہیں کرتا۔ شام تک ٹھیک ہو

جائے گا۔ مستری کام پر لگے ہوئے ہیں “

” مستری کام پر لگے ہوئے ہیں۔ ! وہ کچھ جانتے ہی نہیں

پچھلے پچھلے دس روز تک جھک مار رہے، مگر جہاں پانی نہ ملا۔

اصل میں آپ بہت غافل ہیں۔ اس کے علاوہ جہاں تک میں

سمجھتی ہوں، آپ سیکرٹری سے ملے ہوئے ہیں، جیسی تو آپ اُس

کی اتنی طرف داری کرتے ہیں۔“

”میں اُس کی طرف داری کیا کرتا ہوں ؟“

”ہر وقت آپ کے پاس بیٹھا رہتا ہے۔ آپ اُس کی خاطر داری کرتے ہیں۔ مجھے مجبور کرتے ہیں کہ میں اُس کے لیے ناشتہ تیار کروں۔ اُس کو لیمن اسکا ج پلاؤں۔ گھنٹوں آپ کے ساتھ باتیں کرتا رہتا ہے۔ معلوم نہیں کیا ؟“

”جیسے تمہیں معلوم نہیں کیا۔ ایسی کوئی عورت مجھے بتا دو جس کو دوسروں کی باتیں چھپ کر سننے کی عادت نہ ہو۔“

”میں سب کچھ سنتی رہی ہوں۔ اور میں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اُس کی اور آپ کی گاڑھی چھپتی ہے۔ وہ پرلے درجے کا بد معاش ہے۔“

”اور میں۔؟“

”آپ اُس سے کسی قدر کم ہوں گے۔“

”یہ آج تم نے میرے متعلق نیا فیصلہ سنا دیا۔“

”دیکھئے! زیادہ باتیں کرنا فضول ہے۔ آپ پانی کا بندوبست کیجیے۔ میں چار دن سے بغیر غسل کے ہوں۔“

”پانی آج بند ہوا ہے، آپ چار دن سے بغیر غسل کیوں ہیں؟“

”بس ہوں۔ مجھے فرصت ہی نہیں ملی“

”آج مجھ سے لڑنے کی فرصت مل گئی ہے“

”کل میری طبیعت اتنی خراب تھی۔ قہر پہ قہر ہو رہی تھی۔“

آپ نے مطلق میری طرف دھیان نہ دیا۔ صرف اتنا کہہ دیا کہ بد مضمہ کی شکایت ہے۔ ٹھیک ہو جاؤں گی۔“

”تم ٹھیک تو ہو گئی تھیں“

”خاک ٹھیک ہو گئی تھی۔ پورے سات دن بستر پر پڑی رہی

ایسا لگتا تھا کہ بس اب موت آنے والی ہے۔“

”مگر وہ آئی نہیں“

”آپ تو چاہتے تھے کہ میں مر جاؤں۔ لیکن خدا نے مجھے بچا لیا“

”میں کیوں چاہتا تھا کہ تم مر جاؤ“

”کفلیوں میں زہر آپ ہی نے تو ملایا تھا“

”تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے“

”آپ نے کیوں نہ کہا؟“

”اس لیے کہ مجھے پسند نہیں۔ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ مجھے دودھ

کی صورت میں بھی پسند نہیں — میں نے شاید اپنی زندگی میں صرف
اپنی ماں کا دودھ پیا ہوگا۔ اس کے بعد میں نے اسے ہاتھ تک نہیں
لگایا۔“

”میں نہیں مانتی — اُس روز آپ نے یقیناً کفلیوں میں زہر
بلا دیا تھا تاکہ میرا خاتمہ ہو جائے۔“

”تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ مجھے اخبار پڑھنے دو — یہ
لو، ایک خبر ہے۔ نراب قلفیوں کی وجہ سے کئی آدمی ہلاک ہو
گئے۔ لاہور۔ ۳۰ اگست — اطلاع ملی ہے کہ ایک قلفی والا
قلفیاں بیچتا تھا۔ کئی آدمیوں نے اُس سے خریدیں۔ ان کا بکوز
میں سے تین آدمی زہریلی قلفیوں کے باعث ہلاک ہو گئے۔
پوسٹ مارٹم کیلئے ان کو ہسپتال بھیج دیا گیا ہے۔ زہر کی وجہ یہ بیان
کی باقی ہے کہ اُس نے قلفیوں کے سائیکھے اچھی طرح صاف نہیں
کیئے تھے۔“

”میرا خیال ہے آج گھر ہی میں آئیں کریم بنائیں۔“

۲۰

بسمارت حسن منٹو ۷ اگست ۱۹۵۴

عرس شریف

”چلیے عرس دیکھنے چلیں“

عرس میں کیا رکھا ہے — محض بکواس ہوگی۔

آپ کے نزدیک تو ہر اچھی اور معقول چیز بکواس ہوتی ہے۔

داتا صاحب کا دوبار بھی لغو واللہ آپ بکواس سمجھتے ہیں۔

”دوبار و دوبارہ میں نہیں جانتا — ان کا مزار کہو — اس میں کیا

جراثی ہو سکتی ہے — لیکن —“

”لیکن کیا؟“

”یہ کہ وہاں دن رات بد سے بدترین افعال ہوتے ہیں۔“

”مثال کے طور پر؟“

”جڑا وہاں کھیلا جاتا ہے — شراب وہاں پی جاتی ہے — گاسنجا،

چرس، مدھک اور انیون عام ملتی ہے — مزار کاری کا مسئلہ بھی صحیح و

شام جاری رہتا ہے۔“

”یہ آپ کو کس نے بتایا —؟“

”تم اخبار پڑھتی ہو — تمہیں ان باتوں کا علم ہونا چاہیے۔“

”اخباروں کی اور آپ کی باتیں ہمیشہ جھوٹی ہوتی ہیں — آپ یہ کیسے

کہ عرس دکھانے لے چلے گا یا نہیں؟“

جی نہیں — میں ایسی واہیات جگہ جانا نہیں چاہتا، جہاں گنڈوں

کی مغل جی ہو — بھانڈا ناچ رہے ہوں — یہ بچہ کو لے شکامکا کر چل

رہے ہوں —“

”تو بہ — مجھے نہیں لے جانا چاہتے تو صاف صاف کہہ دیجئے۔ آپ

تو یقیناً جائیں گے۔“

”شانید چلا جاؤں۔“

”آپ کیوں جائیں، جب کہ آپ کی نظروں میں عرس نہایت فضول

اور واہیات ہے۔“

”جاؤں گا، تو صرف اس لئے کہ شاید میری معلومات میں اضافہ ہو جائے۔“

”آپ کی معلومات میں کیا اضافہ ہوگا۔ آپ تو ماشاء اللہ دنیا کے تمام اسرار و

رموز سے واقف ہیں۔“

”تم طنز سے باز آ جاؤ — میں ابھی طفل مکتب ہوں — میں نہیں ابھی

تک مکمل طور پر نہیں سمجھ سکا۔

”مجھے سمجھنے کی آپ نے کبھی کوشش ہی نہیں کی۔ ان پندرہ برسوں میں آپ نے جب مجھے نہیں سمجھا، تو کب سمجھیں گے۔ جب میرا جنازہ نکل رہا ہوگا، اس گھر سے“

”جنازہ تو پہلے میرا نکلے گا۔!“

”جنازوں کی بات چھوڑیے۔ مجھے یہ بتائیے کہ عرس پر لے چلے گئے یا نہیں۔“

”میں اپنے فیصلے سے تمہیں آگاہ کر چکا ہوں۔“

”آپ کوئی ہائی کورٹ تو نہیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کل عرس پر گئے تھے۔“

”تمہیں کس ذریعے سے یہ معلوم ہوا۔“

”کسی بھی ذریعے سے۔ لیکن آپ انکار کیجئے۔ کیا آپ کل شام وہاں نہیں گئے تھے؟“

”گیا تھا۔“

”تو مجھے ساتھ لے جانے میں آپ کو کیا عذر ہے؟“

”کہہ تو چکا ہوں وہاں کی فتنہ شریف آدمیوں کے لائق نہیں۔ مجھے تو

خدا کی قسم بڑی کوفت ہوئی، اس لئے کہ چاروں طرف گنڈے تھے، یاٹھائیں۔
 ”ہمیں ان سے کیا واسطہ — ہم تو عرس دیکھنا چاہتے ہیں — ان سے
 ملاقات کرنے سے توڑا ہی جانا چاہتی ہیں۔“

”وہ تو آپ سے ملاقات کرنے کی غرض ہی سے آتے ہیں، ورنہ انہیں
 وانا صاحب سے کیا دل چسپی ہے؟“

”میں تو وہیں جوتوں سے اس کی مرمت کر دوں۔“

”جب دوسرے روز اخباروں میں یہ خبر شائع ہوگی، تو کتنی نیک نامی
 ہوگی، میری اور تمہاری؟“

”خیر! اس فتنے کو چھوڑیے — مجھے عرس دیکھنا ہے — میں نے
 سنا ہے کہ مزار کے آس پاس تھیٹر بھی لگے ہیں۔“

”لگے ہیں — اب ان کا احوال بھی سن لو — بھانڈی ورداز سے پرائیک
 فٹو بھی تھیٹر ہے۔ اس میں سلطان صلاح الدین بڑے بہادر مسلمان تھے جنہوں
 نے شیردان رچرڈ کو شکست دی تھی۔“

”مجھے معلوم نہیں انہوں نے شکست دی تھی یا کھائی تھی — تاریخ میں
 ہمیشہ کمزور رہا ہوں — بہر حال اس ڈرامے کا آخری سین مجھے کبھی نہیں بھولے
 گا۔۔۔۔۔ رچرڈ شیردان ٹھاس چوس کی بنی ہوئی پہاڑی کے دامن میں لڑائی
 کی تلوار کمر میں ٹکاتا۔ نہ کھڑے تھے کہ اس کا وزیر آتا ہے اور اس کو آداب عرض

کر کے یہ پوچھتا ہے۔

”کیا؟“

”حضور، اب یہ دشمن کی زیارت کب ہوگی؟“

”وہ کیا جواب دیتا ہے؟“

”ایسا جواب دیتا ہے کہ لا جواب کر دیتا ہے۔“

”بتائیے نا؟“

”شیر ذل رچرڈ زور سے ہاتھ اپنے ماتھے پر مارتا ہے، جیسے اپنی تقدیر

کے منہ پر طمانچہ مار رہا ہے۔ اور پھر گانا شروع کر دیتا ہے۔“

”لانے۔ یہ گانا تو لا جواب ہوگا۔“

”بہت لا جواب تھا۔ کن سُری آوازیں آپ نے یہ الپنا شروع

کیا ہے

ان جسرتوں سے کہہ دو کہیں اور جا بسیں

اتنی جگہ کہاں ہے۔ دل داغ دار میں

شعر تو بڑا اچھا ہے۔“

”اس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن شیر ذل رچرڈ نے اس کی اپنی آواز

سے وہ چھڑچھاڑ کی کہ جی چاہتا تھا کہ اس کی گٹھڑی کی تلوار اس کی کمر سے اتار

کر اس کے حلق میں کھولیں دیں۔“

”آپ تو ناحق کسی کے دشمن بن جاتے ہیں۔ ہر سکتا ہے، وہ مہربان

جو۔ آپ کہاں کے تان سین ہیں؟“

میں نے خود کو تان سین کب کہا ہے۔ لیکن میں نے اپنے وقت
 تمام چھ گویوں کو سنا ہے۔ موسیقی کی ہزاروں محفلوں میں شرکت کی ہے
 ”آپ بڑا ہانکتے ہیں۔“ بھلا بتائیے تو آپ نے کس کس گویے
 کو سنا ہے؟“

”خاں صاحب عاشق علی خاں کو۔ بیسے خاں کو۔ چھوٹے اور
 بڑے غلام علی خاں کو۔ ہیرا بائی بڑو درکنو۔ روشن آرا کو۔ رفیق
 غزنوی اور فیروز نظامی کو۔ اب میں تمہیں اور کتنے نام بتاؤں۔ ہاں۔
 مچھر خاں کد بھی“

”یہ مچھر خاں کیا ہوا۔ ابھی آپ کہہ دیں گے کھٹل خاں کو بھی سنا ہے“
 ”مجھے معلوم نہیں، اس کا اصل نام کیا تھا، لیکن لوگ اسے مچھر خاں ہی
 کے نام سے پکارتے تھے۔ اس کی ایک خاص وجہ تھی کہ جب وہ گاتا
 جتنا تو گر عیر آتے وقت، زور سے اپنی ٹانگوں پر اس طور پر زور سے دھچک
 مارتا جیسے کوئی میجر مار رہا ہے۔ غالباً اسی لئے اس کا نام مچھر خاں پڑ
 گیا تھا۔“

”آپ مجھے بتائیے نہیں۔ کوئی آدمی اپنا نام مچھر خاں برداشت

نہیں کر سکتا۔

”وہ تو کرتا تھا۔ اب تم یقین کرو، یا نہ کرو۔“

”مجھے آپ کی کس بات پر یقین نہیں۔ آپ یہ بتائیے کہ سڑس پر مجھے لے چلنے کا یا نہیں۔“

”میں اپنا فیصلہ صادر کر چکا ہوں۔“

”آپ کیوں گئے تھے وہاں؟“

”اپنی معلومات میں اضافہ کرنے۔“

”کیا اضافہ ہوا؟“

”بہت سے اضافوں میں سے ایک اضافہ اورسن لو۔ لیلیٰ مجبوز کا ڈرامہ ہو رہا تھا۔ لیلیٰ کا باپ امریکی طرز کی ٹیش شرٹ پہنے اسٹیج پر ٹہل رہا تھا سر پر سربو وضع کارومال باندھے تھے۔ مجبوز، ڈنگ سے اسٹیج پر آتا ہے۔ لیلیٰ کا باپ چونک کر اس سے مخاطب ہوتا ہے۔“

”کیوں مجبوز، کیا قصہ ہے؟“

مجبوز صاحب فرما رہے تھے حضور کھلوانی اور ہے۔ ذرا حاضری دینے آیا تھا۔

— جیسے کوئی خالی مشک، بھرنے آیا ہو۔“

”لیلیٰ کا باپ اس پر کیا کہتا ہے۔“

”کہتا ہے۔ اے مجبوز تیری آواز کیوں پست ہے؟“ — وہ جواب

دیتا ہے "حضور شادی کا بندوبست ہے۔"

"باپ کیا کہتا ہے؟"

"باپ اس سے پوچھتا ہے! کس کے ہاتھ؟ — مجنوں صاحب

جواب دیتے ہیں! حضور، آپ کی دختر نیک اختر کے ساتھ۔"

"باپ کو طیش نہیں آتا؟ کتنا بدتمیز تھا یہ مجنوں"

"ہر عاشق بدتمیز ہوتا ہے۔"

"آپ نے کبھی یہ بدتمیزی کی ہے؟"

"صرف تمہارے ساتھ۔"

"آپ مجھ سے اس قسم کے مذاق نہ کیا کریں۔ میں سو جانتی ہوں

آپ کو مجھ سے کتنا پیار ہے!"

"میں پیار کی نہیں، بدتمیزی کی بات کر رہا تھا۔"

"بدتمیزیاں تو آپ اکثر کرتے رہتے ہیں۔"

"میں نے تو آج تم سے کوئی بدتمیزی نہیں کی۔"

"خیر، بھڑائیے، اس قصے کو؟"

"اور قصہ کیا شروع کروں؟"

"آپ مجھے یہ بتائیے کہ بیٹے کے باپ نے کیا کہا؟"

”اُس نے کہا، یہ شادی ہرگز نہیں ہو سکتی“

”مجنوں نے کیا کہا؟“

”اُس نے کہا، کیوں؟ — کس لئے؟ — کیوں کر؟ — کیسے“

”بڑا منق آدمی تھا۔“

”میری اُمس سے تو ملاقات نہیں ہوئی — لیکن میں اتنا کہہ سکتا ہوں

کہ یہ ڈرامہ دیکھ کر میری طبیعت صاف ہو گئی — لیلیٰ کے باپ مجنوں

سنے کہہ رہے تھے اُس لئے کہ تو ادیبِ عالم ہے اور لیلیٰ نے منشی فاضل

پاس کر لیا ہے۔ اور حضرت مجنوں یہ صد بجا جوت یہ مکالمہ ادا کر رہے

تھے، میںیں حضور! میں ابھی منشی فاضل کا امتحان دے رہا ہوں۔“

”تو یقیناً یہ ڈرامہ بہت دلچسپ ہو گا — کیا واقعی مجنوں منشی فاضل

کا امتحان دے رہا تھا۔“

”اُس زمانے میں ممکن ہے کہ منشی فاضل یا ادیبِ عالم کی کلاسیں

ہوتی ہوں — مجھے اس کے متعلق کوئی علم نہیں — مجنوں نے اپنے

وصف بیان کرتے ہوئے یہ بھی کہا تھا کہ وہ ٹاپ کرنا جانتا ہے۔“

”میرا خیال ہے، لیلیٰ کے باپ کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے تھا

— کیا وہ شاعر بھی تھا؟“

”نہیں گانا جانتا تھا۔ رہنے والا عرب کا تھا، مگر اردو زبان میں
گانا گاتا تھا۔ لیلیٰ لیل پکاروں میں بن میں۔ لیلیٰ موری بس موری
من میں۔“

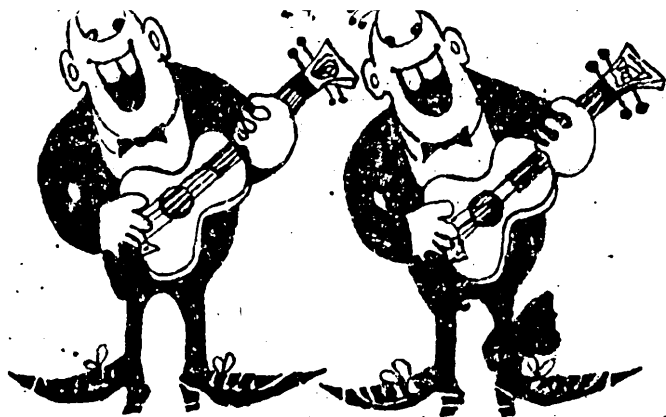
”یہ بول تو بڑے اچھے ہیں۔ ضرور محبوں ہی نے سناٹے ہوں گے،
”اس کا باپ“ نہیں سکتا تھا۔ اس کو تو لیلیٰ کے
کتنے ہی سے عفت عفت اور پیار کرنے سے فرصت نہیں ملتی تھی؟
”وہ اس کے کتنے سے کیوں پیار کرتا تھا؟“

”اس لئے کہ لیلیٰ اس کو ملتی نہیں تھی۔ کیا کرتا بیچارہ؟
”میں نے کہا، یہ عاشق لوگ کس قسم کے ہوتے ہیں؟
”مجھے کیا معلوم۔ میں نے کبھی اس قسم کا عشق کیا ہو تو کچھ بتا بھی دوں
— میں ایسی باتیں نہیں جانتا۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔ عورت کو چھوڑ کر
کتنے سے پیار کرنا۔ اس کے متعلق میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔
”آپ تو اپنی کتیا سے بہت پیار کرتے ہیں۔“
”وہ کتیا تمہاری نہیں۔ میری ہے، یعنی لیلیٰ کی نہیں؟“
”آپ جا کہاں رہتے ہیں؟“
”اپنی کتیا کو سیر کرانے۔“

”اور مجھے سُرُس پر نہیں لے جائیں گے؟“

معاذت حسن نفٹو

۲۱ اکتوبر ۱۹۵۴ء



کنٹرولستان

پھر وہ اٹھتا ہے تالیوں کی آواز آتی ہے ایسٹج پر ایک
 خوبصورت ساز و سامان والا کمرہ نمودار ہوتا ہے ایک جوان لڑکی روتی ہوئی
 اس کمرہ میں داخل ہوتی ہے، الماری میں سے ایک خوبصورت بوتل نکالتی ہے، اور
 حاضرین سے مخاطب ہو کر کہتی ہے۔ یہ زہر ہے، انگریزی، اردو، ہندی، گجراتی
 مرہٹی اور سندھی۔ ان سب زبانوں میں اس بوتل پر لکھا ہے۔ کہ یہ زہر ہے
 میں اسے پی لوں گی اس لئے کہ میں سے مجھے محبت تھی وہ اس دنیا میں نہیں رہا
 سراج نے اپنے اس کو مجھ سے جدا کیا اور اب اس کو موت کے گود بٹاتا رہا
 اب میری زندگی فصول ہے یہاں نہ ہر پی لوں گی اور ہمیشہ کے لئے اس کے
 پاس چلی جاؤں گی میری یہ ظالم ساجہ ہیں، ایک دوسرے سے ہرگز ہرگز جدا

نہیں کر سکے گا کندن کندن ہیں ابھی ہوں استنہ میں ایک موٹی
 آواز آتی ہے ”ٹھہرو“

لوٹی ہونٹوں سے بول جدا کر دیتی ہے کمرے میں ایک موٹی ٹاک ورن
 ادھیڑ عمر کا آدمی داخل ہوتا ہے۔ رزک چلتی ہے اور اس سے پوچھتی ہے کون؟
 آدمی! تمہارا بچا!

رزکی:۔ اوہ تشریف رکھئے تشریف رکھئے!
 آدمی:۔ تم خود کشتی کر رہی تھیں!

رزکی:۔ جی ہاں!

آدمی:۔ تم نے میری اجازت طلب کی؟

رزکی:۔ جی نہیں!

آدمی:۔ کیوں؟

رزکی:۔ مجھے اندس ہے میں جلدی میں تھی لیکن اب آپ
 سے اجازت مانگتی ہوں کیا میں خود کشتی کر سکتی ہوں۔
 آدمی:۔ بڑے شوق سے، مگر ایک شرط پر۔

رزکی:۔ وہ کیا؟

آدمی:۔ خود کشتی کرنے سے پہلے نہیں ایک بیان لکھ کر دینا ہوگا کہ تم اپنی

اپنی مرضی سے اپنی جان ہلاک کر رہی جو۔

لڑکی :- ہندی یا اردو میں۔

آدنی :- اردو میں اور دیکھو اس بیان میں یہ لکھنا بہت ضروری ہے
کہ تمہاری محبت پاک تھی۔

لڑکی :- کیا محبت ناپاک بھی ہوتی ہے۔

آدنی :- ہاں دیکھو اس بیان کا مسودہ ہم تیار کر دیتے ہیں۔ تم اسے
نقل کرو پنا۔

لڑکی :- مہربانی !

یہ کہہ کر چچا اٹھتا ہے اور کمرے سے باہر چلا جاتا ہے۔ لڑکی زہر کی بوتل اٹھاتی
ہے۔ اور چومتی ہے۔

لڑکی :- گنڈن پانچ منٹ میرا انتظار کرو یہ بیان تیار ہو جائے

تو میں نقل کر کے فوراً تمہارے پاس آتی ہوں۔ پھر تم بول گے اور میں سماج
کے بندھن سب ٹوٹ جائیں گے میں اور تم دونوں ایسی زندگی شروع
کریں گے جو موت سے بالکل نا آشنا ہوگی ہم امیر ہو جائیں گے.....

دو دوازے پر تیزی سے دستک ہوتی ہے۔

لڑکی :- کون ؟

یہ کہہ کر وہ دروازہ کھولتی ہے ایک عورت گھبرائی ہوئی اندر داخل ہوتی ہے۔ اُس کی سانس پھولی ہوئی ہے۔

لڑکی: کون ہو تم؟

عورت: شیرو۔ بتاتی ہوں (دم لیتی ہوں) میں بہیر ہوں۔

لڑکی: بہیر؟۔ کون بہیر۔

عورت: میں تو بہت مشہور ہوں مہر جو چپک کی بیٹی بہیر سیال! لڑکی: رانجھے والی بہیر!

عورت: ہاں!

لڑکی: ارادہ کیسے اٹکلے تم یہاں۔

عورت: بہت دنوں کے بعد ہمیں چچی ملی تھی رانجھا کہنے لگا اوسینا چلیں بھگت لے کر اندر داخل ہوئے تو کیا دیکھا کہ ہمارا ہی تماشا ہے میں تو انٹریل ہی میں بھاگ آئی لیکن رانجھا ابھی تک وہاں بیٹھا ہے۔

لڑکی: ہائیں وہ کیوں؟

عورت: بڑا کسانوں بوا میری تو زندگی اجیرن ہو گئی ہے جب دیکھو اپنی بانسری بجا رہا ہے ہزار کہتی ہوں رانجھا میرے رانجھی چوڑو اس بانسری کو یکسو ذوق بجاؤ مجھے کوئی فلمی گیت

گیت سناؤ، مگر وہ تو پرانی لکیر کا ہی فقیر رہنا چاہتا ہے۔ لک لک پیسٹریاں
کھاتے ہیں مگر وہ مجھے چنے کی روٹی پکانے ہی کے لئے کہتا ہے۔
عورت: شیریں کا کیا حال ہے۔

عورت: بہت بُرا۔ فریاد صاحب ہر وقت تیشہ لئے چمچھوڑتے
رہتے ہیں، کہتے ہیں کہ میں ایک اور دودھ کی نہر کھنڈوں گا! اُدھر بھیجاری
سسی کا بھی یہی حال ہے۔ ہنولی صاحب ہر روز اسے کچھ کھڑے، کدے ساتھ
دریا میں تیرتے ہیں، بوا، ہم سب تنگ ہیں قسمت میں موت نہیں، ورنہ
ضرور کچھ کھا کر مر جائیں۔ (بالنسری کی آواز سنائی دی) ہیر ڈرہاتی ہے۔
لو آپہنچے، انجیا میاں، وٹیا کہاں پہنچے کئی پرانے کے ہونٹوں سے بالنسری
نہیں فینچی اچھا جاتی ہوں بوا تم خوش رہو (چلی جاتی ہے)

رٹکی: ہیر کے جانے کے بعد زہر کی شیشی اٹھاتی ہے "نہیں نہیں میں
نہیں مروں گی میرا بھی اگر یہی حال ہوا تو نہیں نہیں اسے رس گئے
کھانے کی عادت تھی اب میں ہزاروں برس کیسے اُسکو رس گئے بنا بنا کر کھلائی رہوں
گی نہیں نہیں (زہر کی شیشی پھینک دیتی ہے)

اسنے میں چچا کھا لیا ہوا اندر داخل ہوتا ہے۔

چچا: زہر بیان تیار ہے۔

پولکی پوچھنے آئے جو تم لوگ۔

پریم: — اس ڈرامے کا مطلب کیا ہے۔

کالے بابو: — مطلب یہ ہے کہ غنقریب محبت پر کنٹرول ہونے والا ہے اور

یہ دراصل ہم نے () کے لئے لکھا ہے۔

پریم: — محبت پر کنٹرول ہونے والا ہے۔

کالے بابو: جی ہاں۔۔۔ جس طرح دودھ پر کنٹرول ہے، آٹے پر کنٹرول

ہے، کپڑے پر کنٹرول ہے، اسی طرح محبت پر بھی کنٹرول ہونے والا ہے۔ مثلاً

شام کے اخباروں میں اس کا اعلان آجائے، دیر کہہ کر وہ میا اور پریم کی طرف دیکھ کر کہتا

ہے، اب آپ اتنا بے دردی سے محبت جیسی قیمتی چیز استعمال نہیں کر سکیں گے۔

پریم اور میا دونوں افسردہ ہو جاتے ہیں اور باہر نکلنے پھرتے ہیں۔

X X X X X X X X X X

فکر مند محترم

بارغ۔

شام کا وقت ہے۔ پریم اور میا دونوں بیچ پر بیٹھے ہیں۔ ان کے آس پاس اور بہت

سے دور سے بیٹھے ہیں اور اخبار پڑھ رہے ہیں اخباریچنے والے چوکرے چلا رہے ہیں۔ محبت

پر کنٹرول ہو گیا۔۔۔ محبت پر کنٹرول ہو گیا۔

ہیاء۔ پریم کی طرف دیکھتی ہے۔ پریم، مہیا کی طرف افسردہ نظروں سے دیکھتا ہے،
اور سرد آہ بھر کے کہتا ہے۔ ”اب کیا ہوگا“ !

اجنباریچنے والے چلا رہے ہیں، ”محبت پر کنٹرول ہوگا۔“ — محبت پر کنٹرول ہوگا۔“

x x x x x x x x x x x x x x x x

پوسترز کا مونٹاج۔

جگہ جگہ پوسٹر لگے ہیں۔ دل کی تصویر بنی ہے، اس پر تیر چوبا ہے اور خون نکل رہا ہے
نیچے لکھا ہے۔ اپنے دل کا خون نہ کیجئے۔ محبت کم کیجئے۔ شیریں فریاد، لیلیٰ عجوز
سیر رانجی، استسی پنوں۔ ان سب کی تصویریں بنی ہیں۔ نیچے لکھا ہے۔ عاشقوں
کی قسمت میں ہمیشہ موت ہوتی ہے۔ محبت کم کیجئے ! — آخری پوسٹر پر راشن کلڈ
کی تصویر بنی ہے، اس کے نیچے لکھا ہے۔ اور اگر آپ کو نجات کرنی ہے۔ تو راشن
کلڈ لے لے !

ایک بست بڑا بوڑھا ہے۔ جس پر اوپر کے الفاظ ہر زبان میں لکھے ہیں۔
اس کے نیچے متوسط الحال اور اونچے طبقے کے مردوں اور عورتوں کا ایک بہت لمبا ”کیو“ لگا
ہے۔ ایک طرف عورتیں کھڑی ہیں۔ ایک طرف مرد۔ مردوں کے ”کیو“ سب سے آخر
پریم کھڑا ہے۔ اور عورتوں کی منگاہ میں چلا۔۔۔۔۔ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ

رہے ہیں۔ اتنے میں کالے باؤ آتے ہیں اور ان دونوں کو صوب میں کھڑے دیکھ کر مسکراتے ہیں۔ مہاکو وہ اپنی چھتری پیش کرتے ہیں مگر وہ نفرت سے ایک طرف پھینک دیتی ہے کالے باؤ چھتری نہیں اٹھاتے اور سنبھتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔

پریم کی بادی آہستہ آہستہ اُڑی ہے۔

x x x x x x x x x x x x x

محبت کا رشتہ لگا آفس (اندر)

پریم اندر داخل ہو جاتا ہے۔ ایک نشستہ حال بوڑھی عورت میز پر بیٹھی ہے، باقی کام کرنے والے جوان بڑکے ہیں۔ پریم کسی پر بیٹھ جاتا ہے۔

بڑھیا :- تمہارا نام۔

پریم :- پریم چند !

بڑھیا :- وہی پریم چند تو پریم کہانیاں لکھا کرتا تھا۔

پریم :- جی نہیں، میں دوسرا پریم چند ہوں۔

بڑھیا :- باپ کا نام۔

پریم :- پریم چند۔

بڑھیا :- مگر تم چند نے اپنی زندگی میں کبھی محبت کی تھی۔

پریم :- مجھے معلوم نہیں — کی بھی ہوگی۔ تو انہوں نے مجھے بتایا نہیں۔

ہوئی تھی

بڑھیا :- تمہاری ماں سے اس کی

پریم :- جی نہیں۔

بڑھیا :- تمہیں کیسے معلوم ہے۔

پریم :- اس لئے کہ ان کے پناہیہم چند ہی نے ان کی شادی ان کی مرضی کے خلاف

کر دی تھی۔

بڑھیا :- تم کیسے پیدا ہوئے؟

پریم :- میری ماں میرے پاپائی کی بیوی تھی اور مرتے دم تک بیوی رہی۔

بڑھیا :- ہوں۔ — مجھ کے متعلق مسٹر کیم چند ولد سلیم چند کے خیالات کیا تھے۔

پریم :- وہ اسے بڑا سمجھتے تھے۔

بڑھیا :- ہوں۔ — دانش کارڈ اشیا کر اسے بھرتے ہوئے پینے میں ایک پرنٹ

پریم :- صحت ایک پرنٹ۔

بڑھیا :- ہاں صحت ایک پرنٹ — تمہارے لئے یہ بھی زیادہ ہے۔ جادو

دانش کارڈ کے کراسروگی کے عالم میں پریم باہر نکلتا ہے۔ مہیا کو دیکھتا ہے تو اس کے پاس

جاتا ہے۔

پریم :- تمہیں کتنی ملی؟

بڑھیا :- آدھا پرنٹ۔

پریم :- مجھے ایک یونٹ -

دونوں مفہوم ہو جاتے۔

x x x x x x x x x x x x

ٹیکسٹر :- ربرسل روم دبا ہوا

پریم اور بہادر ربرسل روم کی طرف بڑھتے ہیں تو دس پندرہ قتل اور دوسرے مزدور

ہنسنے ہوئے ان کے پاس سے گزرتے ہیں۔

پریم :- یہ لوگ بڑے خوشگام ہیں۔

تیا :- جائے کیوں ! - میرا خیال ہے ان کو زیادہ یونٹ ملے ہوں گے۔ یہ کہہ کر

دونوں ربرسل روم کے اندر داخل ہونے لگے۔

x x x x x x x x x x x x

ربرسل روم کے اندر -

پریم اور بہادر دونوں پاس پاس ہونے پر بیٹھ جاتے ہیں۔

پریم :- کچھ سمجھ میں نہیں آتا اب کیا ہوگا — جیسے میں صرف ایک یونٹ

ہیما :- دیکھو تو ایک یونٹ میں کیا مل سکے گا

پریم :- اپنا راز نہیں کارڈ دیکھنا ہے ایک - ندائیہ — آدھا گھنٹہ چائنی ات

کے سیر — کشتی کی سیر کرنا تو صرف پندرہ منٹ — اور سچا — میں تمہیں کہنے میں

صرف ایک دفعہ کہ سکوں گا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں،

ہیما:۔ مرنے کا ایک دفعہ۔ اب پہلے تم دن میں ہزار مرتبہ کہہ کر تے ہو۔
 پریم:۔ وہ دن یاد نہ کرو ہیما۔۔۔ جنگ کے بعد ہی اب وہ گھمبیریاں واپس آئیں گی
 ہیما:۔ نہیں میں نہیں یاد کروں گی۔۔۔ لیکن اب میں یہ سوچنا چاہئے کہ یہ ڈیڑھ پونٹ
 ہوں میں مٹا ہے اس کے طرح استعمال کرنا چاہئے۔۔۔ پریم:۔ آدمی ایک روٹی میں جب گزارہ کر
 سکتا ہے۔ تو ایسا ہم ڈیڑھ پونٹ میں گزارہ نہیں کر سکیں گے۔ تم کچھ فکر نہ کرو۔۔۔ پریم یہاں کی باتوں
 سے بہت متاثر ہوتا ہے۔ طے ہوتا ہے کہ معینہ میں اسی دن جو سب سے سہانا ہو، وہ اپنی
 محبت کا واسطہ لیا کریں۔ اتنے میں سبزی ناچتی تھرتھرتی آتی ہے۔ دونوں کو کسی قدر مفہوم دیکھتی ہے
 تو ان سے مذاق کرتی ہے وہ محبت کو بالکل بیکار سمجھتی ہے۔ کیونکہ کالے بالوں کی محبت سے
 اسے قلم تجربہ ہو چکا ہے۔ یہ آدمی شروع شروع میں اس سے اس طرح محبت کرتا تھا جیسے
 اس کی پوجا کرتا ہے۔ مگر چند سال گزر جانے کے بعد بالکل بدل گیا تھا۔ سبزی اس کے یہاں
 صرف اس لئے پڑی تھی کہ اب اس کا دل بالکل کھ گیا تھا۔۔۔ تھوڑی دیر میں وہ آپس
 میں باتیں کرتے ہیں۔ اس کے بعد گھنٹی بجتی ہے۔۔۔ سبزی اٹھتی ہے اور کہتی ہے ”چلتے
 ہیر راجے کا کھیل کھیلیں“
 تینوں باہر نکلتے ہیں۔

× × × × × × × × × × × ×

دہرسل روم کے باہر۔

تینوں کی ٹیٹ بھڑتھیسٹر کے مالک کالے بالو سے ہوتی ہے وہ پہاکی طرف مسکرا کر
دیکھتا ہے اور پوچھتا ہے "راشن کارڈ مل گیا آپ کو"

ہیما :- جی ہاں۔

کالے بالو :- کتنے پونٹ !

ہیما :- آدھا۔

کالے بالو :- پھر تو آپ میت دولت مند ہیں۔ — (پریم سے) آپ کے حصے
میں کتنی آئی۔

پریم :- ایک پونٹ۔

کالے بالو :- چائے ڈیرٹھ ہو گیا۔ مہینہ کیجئے گا اسنی تہیں کتنی ملی؟

سینٹی مجھے مجتہ کرنے کی ضرورت نہیں۔۔۔ جب تک اس دنیا میں تم جیسے آدمی موجود
ہیں، انجی جیسی عورتوں کو نفرت کرنے کی اجازت ملنی چاہئے۔

کالے بالو :- کھیل کا وقت ہو گیا ہے۔۔۔ اب تم جاؤ۔

سب چلے جاتے ہیں۔ کالے بالو اپنے آسن کی طرف بڑھتا ہے مائے میں اسے ایک

قلی ملتا ہے وہ اسے اشارے کے ساتھ اپنے ساتھ چلنے کے لئے کہتا ہے۔

~ x x x x x x x x x x x x x x x

کائے بالو کا آفس۔

آفس میں کائے بالو قتی سے پوچھتا ہے "کیوں پانڈورنگ۔۔۔ تم نے کبھی محبت کی ہے
پانڈورنگ؟۔۔۔ رگبراکر، رام، رام، رام۔۔۔ محبت۔۔۔ میں پروے کرانے

دا قاتی ہیں ہر کار۔

کائے بالو۔۔۔ رہنما ہے، کبھی کبھی عشق کرنا کیا ہا ہے۔

پانڈورنگ۔۔۔ نہ صاحب اسک و سکہ نہیں چاہیے عمر خیریں کو۔

کائے بالو: لیکن تمہیں راشن کارڈ تو مل سکتا ہے۔

پانڈورنگ: ہم میں قتی ہیں ہیں۔۔۔ کسی نے بھی تو نہیں یا راشن کارڈ۔

کائے بالو: لیکن اگر تم بے کر مجھے دے دو۔۔۔ تو میں تم سے خریدوں گا ایک کارڈ

کاسو روپیہ ووں گا۔

پانڈورنگ!۔۔۔ سو روپیہ۔

کائے بالو: ارے کیا ہوا۔۔۔ اپنے آدمی ہو۔۔۔ تو دیکھو، سب قیدیوں سے کہو

کہ وہ اپنا پنا راشن کارڈ لیں۔ پھر تم مجھے دے دینا۔۔۔ سمجھے۔

پانڈورنگ خوش خوش باہر نکلتا ہے۔

x x x x x x x x x x x x x x x x

آفس کے باہر۔

پانڈورنگ خوش خوش جا رہا ہے — گریں روم سے سینٹی میک اپد کر کے باہر نکلتی ہے۔ اور اس سے پوچھتی ہے۔ کیا بات ہے پانڈورنگ — آج سہیتا خوش ہو تم پانڈورنگ اسے بتانا ہے کہ کانسے بالو نے بلایا تھا اور اس سے کس تھا کہ وہ راشن کارڈ لے لے جے وہ سو روپے میں خرید لیں گے یہ سن کر سینٹی مستحکم ہو جاتی ہے۔

x x x x x x x x x x x x

منج — یہاں ڈیوں کے درمیان ایک دلنریب وادی۔

یہاں پریم دو فون خاموش جا رہے ہیں منظر اور فضا بہت پر کیفیت ہے — پھلتے پھلتے دو فون ندی کے کنارے پہنچ جاتے ہیں — یہاں اپنی ٹانگیں ندی کے پانی میں ڈکا دیتی ہے۔ پریم چند لمبات تک خاموش رہتا ہے۔ آخر اس سے نہیں رہا جاتا۔ اور یہاں کا ہاتھ پکڑ کر لگتا ہے۔ یہاں میرا دل غبتا کرنے کو چاہتا ہے۔

یہاں — دل تو میرا بھی چاہتا ہے — دیکھو ناکت سہانا موسم ہے — جی چاہتا

ہے تم ایک غبتت بھرا گیت سناؤ اور میں سنوں۔

پریم — راشن کارڈ لگاتا ہے، تو میں ووٹر کرتا ہوں اور راشن شوپ سے ایک گیت لے کر آتا ہوں۔

یہاں — جاؤ لیکن جلدی آنا۔

پریم — تم یہیں میرا انتظار کرو — میں ابھی آتا ہوں۔

پریم۔ دوڑتا ہے۔

x x x x x x x x x

پریم ایک بس اسٹینڈ کے پاس پہنچتا ہے۔ یہاں ایک بہت لمبا بیکو لگا ہے۔ بس بھری ہوئی آتی ہے اور کئی مسافر کو لئے بغیر گزر جاتی ہے۔ پریم زیادہ دیر انتظار نہیں کر سکتا ہے۔ ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف دوڑتا ہے۔ وہاں دو ٹیکسیاں کھڑی ہیں۔ وطن کے ڈرائیور کہتے ہیں۔ پٹرول نہیں ہے۔ کیونکہ پٹرول پر کنٹرول ہے۔ جب یہ دو ٹیکسیاں دوامیر آدمیوں کو لے کر چلی جاتی ہیں۔ تو پریم کا دل بہت کڑھتا ہے اور وہ پیدل ہی چلتا ہے آخرش پریم ایک دکان پر پہنچ ہی جاتا ہے جس کے باہر ایک بہت بڑا بورڈ لگا ہے۔ "پنڈت، اشوک اینڈ پنڈت انوں سوئگ میکرز"

x x x x x x x x x

پنڈت اشوک اینڈ پنڈت اسوک سوئگ میکرز کی دوکان۔

پریم دکان کے اندر داخل ہونے ہی لگتا ہے کہ چٹان چوکیدار کہتا ہے۔ "سب گانا خلاص ہو گیا!"۔۔۔۔۔ پریم یہاں سے دوسری دکان کا خرچ کرتا ہے۔

x x x x x x x x x

"پنڈت برت پراس۔۔۔۔۔ پنڈت تلچ پراس اینڈ برادر قومو سوئگ اینڈ ڈوسٹ میٹریکلر کی دوکان پریم اس دوکان میں داخل ہوتا ہے۔ ایک شیشے کی المدی میں

پنڈت برت دیاس اور دوسری الماری میں پنڈت ستیج دیاس بند ہیں باہر سے تالا لگا ہے
 پریم منجر کو اپنا راشن کارڈ دیتا ہے اور ایک گیت مانگتا ہے جو اب مٹا ہے کہ صبح سے دونوں
 الماری میں بند ہیں مگر ابھی تک ایک گانا بھی تیار نہیں ہوا۔ پریم لوچھتا ہے کہ دوکان سے اسے
 ایک صرف ایک گانا مل سکتا ہے منجر اسے کل دیپ جی، ہر دیپ جی گیت بنانے والے کا
 پتہ دیتا ہے کہ شاید وہاں سے مل جائے پریم اس دوکان کا رخ کرتا ہے۔

x x x x x x x x x x x x

کل دیپ جی، ہر دیپ جی کو بتا گیت بنانے والے کی دوکان

پریم اندر داخل ہوتا ہے۔ منجر سے مٹا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ ریڈیو کل دیپ
 جی ابھی ابھی اندر گئے ہیں اور موڈل نے کی کوشش کر رہے ہیں منجر پریم کو غسل خانے
 میں لے جاتا ہے۔

x x x x x x x x x x x x

پنڈت کل دیپ جی پانی کے ٹپ میں بیٹھے ہیں۔ اوپر سے فولدہ گر رہا ہے
 انکھیں بند ہیں۔ ہاتھ میں سیٹ پینل ہے جو کچھ بھی سیٹ پر لکھتے ہیں پانی میں، بجھ جاتا ہے
 منجر پریم کے اصرار پر پنڈت جی سے پوچھتے ہیں کہ پنڈت جی، موڈل آیا، پنڈت جی ایک
 دم بگڑ کر کہتے ہیں مرنے ہیں!

دونوں ڈر کر باہر نکل آتے ہیں۔

× × × × × × × × × ×

عقل خانے کے باہر

بینچر پریم سے کہتا ہے۔ بہت مشکل ہے مہاجب گانا گھنا خون پسینہ ایک کرنا پڑتا ہے۔ پھر کہیں جا کر گانے کا ایک صرف مکھڑا تیار ہوتا ہے۔ پریم کو گلے کی سخت ضرورت ہے اس لئے بینچر اس پر اور بھی رعب ڈالتا ہے اس کے بعد وہ اس سے کہتا ہے ”پہلے میں آپ کو ہریپ جی کے پاس لے چلوں۔ شاید انہوں نے اب تک کوئی گیت تیار کر لیا ہو۔“

× × × × × × × × × ×

دوسرا کمرہ۔

ورزش کا سامان بکھرا ہوا ہے۔ کہیں ڈمبل پڑے ہیں، کہیں گدراوراپیں چھاتی پوڑی کرنے والے سپرنگ۔۔۔ پنڈت ہریپ جی سر نیچے اور ناٹکیں اوپر کئے ہیں پریم پنڈت جی کو اس بات میں دیکھ کر دم بخود ہو جاتا ہے۔ ایک دم پنڈت جی سیدھے ہوتے ہیں۔ پنل اٹھا کر کچلکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن فوراً اسے کاٹ کر زور سے گھر گھمانے لگتے ہیں پھر ایک دم کوئی خیال دماغ میں آتا ہے کاغذ پر لکھنا چاہتے ہیں۔ مگر فوراً ہی کاغذ بھاڑ دیتے ہیں اور ڈنٹر بینڈ شروع کرتے ہیں۔

پریم پوچھتا ہے ”پنڈت جی یہ کیا کر رہے ہیں“

فوراً اندر جاتا ہے اور ایک بڑا سمرتبان اٹھا کر لاتا ہے۔ سب کے سامنے اس میں ندی
 ندیا، پانی، ہنر، لہو، کتا۔ داور اس قسم کے الفاظ ڈالتا ہے اور اچھی طرح پلاتا ہے تھوڑی دیر
 کے بعد ہاتھ وال کر الفاظ باہر نکالتا ہے تو یہ بڑا کر ایک گیت بن گئے ہوتے ہیں۔

x x x x x x x x x x x x

یگیت وہ کانے بابو کہہ خرا لے کر دیتا ہے۔ کانے بابو اسے پریم کو دیتے
 ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ ذرا لگا کر سو پیسے تو دے گا نا نہیں چاہتا لیکن جب گیت اسے حسب حال
 لگتا ہے تو اس کی محبوبہ ندی کنارے اس کا انتظار کر رہی ہوتی ہے تو وہ خود بخود کانے
 لگتا ہے کانے بابو منجر سے اشارہ کرتا ہے وہ فوراً اسے ری کو۔ ذکر نا شروع کر دیتا ہے۔

x x x x x x x x x x x x

DISSOLVE IN TO

ندی کنارے۔

ہیما بیچی ہے اور پریم کا انتظار کر رہی ہے۔۔۔۔۔ میوزک شروع ہوتا
 ہے تو اسے اچھا لگتا ہے۔۔۔ اس کے بعد پریم کی آواز آتی ہے۔۔۔۔۔ ہیما کہتی
 ہے کہ پریم گانا لے کر آگیا۔ وہ بہت خوش ہوتی ہے۔ کچھ دیر اسی طرح بیٹھی گیت سن رہی
 ہوتی ہے۔۔۔۔۔ پھر پریم کو آواز دیتی ہے جب کوئی جواب نہیں آتا تو اٹھتی ہے اور
 دوسرا دوسرے بچوں کی طرح اسے تلاش کرتی ہے۔۔۔۔۔ بار بار کہتی ہے رنجے مت سناؤ

پریم — اب آجی جاؤ ———— اور محبت کریں۔ ———— ” دھونڈتی دھونڈتی
 وہ ایک جھاڑی کے پیچھے جاتی ہے — کیا دیکھتی ہے کہ کالے بالو کھڑے ہیں
 اور گا۔ ہے ہیں کچھ دیر وہ حیرت زدہ ہو کر اس کی طرف دیکھتی رہتی ہے جب گا انا تم ہو جانا
 ہے اور کالے بالو گراموفون سے ریکارڈ کی سوئی ہٹاتے ہیں اور کہتے ہیں ” ہیا، ہیرے پاس
 میں یونٹ ہیں — تم چاہو تو میں کے میں ہزار ہو سکتے ہیں دن رات تم سے محبت کر
 سکتا ہوں — تم ایک ہاں کہ دو تو میں سارے ہندوستان کے گدیوں کی آوازیں تمہارے
 لئے خرید لوں گا — بولو، کیا تم مجھ سے محبت نہیں کر دگی،
 ہیا! — مجھے آپ سے نفرت ہے۔

اتنے میں پریم بھی آجاتا ہے۔ ہیا غصے میں بھری ہوئی جاتی ہے اور کہہ دیتی ہے
 اٹھا کر ندی میں پھینک دیتی ہے کالے بالو یہ کہہ کر وہاں سے چلا جاتا ہے ” تم مجھ سے
 نفرت کرتی ہو — میں دیکھ لوں گا کہ تم پریم سے بھی نفرت کر دگی! — “

x x x x x x x x x x

COMPANION

کالے بالو کا آفس

کالے بالو آفس میں جا کر منشی کو بلاتے ہیں۔ اسے حکم دیا جاتا ہے کہ وہ موجودہ ایڈیشن

کا وراثت شروع ہونے لگا کہ آخر تک محبت کی داستان کی بجا سے نفرت کی کہانی نہیں تبدیل کریں
جائے نشی بہت حیران ہوتا ہے مگر کالے بابو اسے سمجھا رہے ہیں کہ جب محبت کا کنٹرول
جوگیب ہے تو کوئی مختصر کوئی نظم کہیں عشق پر ڈرامہ یا فلم بنا نہیں کر سکتی اس لئے اب تمام
عشقیہ اساتذہ نفرت کے رنگ میں پیش نہیں کئے جائیں گے تو کیا کریں گے نشی جی کا کام مکمل ہو چلا
ہے یہ خاموش ہو جاتے ہیں۔۔۔ کالے بابو سکھاتے ہیں اس لئے اس نشی اندر آتی ہے۔ اور
پاس بیٹھ جاتی ہے۔ اپنی پرانی محبت کی یاد دلاتی ہے مگر کالے بابو اس کی طرف زیادہ توجہ
نہیں دیتے۔۔۔ اس پر نشی کہتی ہے تم کچھ بھی کرو۔۔۔ میں جانتی ہوں کہ اچکی
تم ہاں کو اپنے ہال میں چھپانے کی کوشش کر رہے ہو مگر وہ تمہارے تابو سے آنے والی نہیں
تھی ڈرامی ویر کے بعد "گل دیپ جی" ہر دیپ جی گیت بنانے والوں کا شیروں رہا ہے۔ اور
دوسرے گانے دے کر بچا جاتا ہے۔ کالے بابو سے اپنے میز کے درمیان دیکھ دیتے ہیں، اور
نشی جی سے کہتے ہیں کہ وہ بلدی ٹیکسیر کے ڈرامے رومیو جیٹ کو پلے دن کے اندر اندر نفرت
کے رنگ میں رنگ دے تاکہ رہبر نہیں شروع کی جائیں۔

× × × × × × × ×

تھیٹر (ایسٹ) ALIVE INTO

بہت سے آرٹسٹ جمع ہیں۔ نشی جی ان کو ان کے پارٹائلسم کہتے ہیں۔

آرٹھ جب ایک نظر میں اپنا پارٹ دیکھتے ہیں تو سخت فخر ہونے میں رہیں وہ میو جلیٹ کا ڈرامہ ہے۔۔۔ برگزینوں، ہم یہ پارٹ کمنے کے لئے تیار نہیں۔ ہر پریم اور ہر میو جلیٹ انکار کرتے ہیں۔ نشی بیچارہ مجبور ہے کیونکہ مالک کا حکم ہی ایسا ہے۔ اتنے ہیں کالے باؤ اتنے ہیں جب ان کو معلوم ہوتا ہے کہ آرٹھ ٹانگہ نہیں تو وہ سب کو دھکی دیتے ہیں۔ تم نے انہیں کیا توہین کر قرار کرادی کہ تمہیں کٹواؤں کہ بعد کو فی عشقیر ڈرامہ نہیں کھیلنا جاسکتا۔ اب وہ زمانہ ہے کہ میرا لہجہ سے نفرت کر رہے گی۔ قرپا، تیریں کی اداؤں پر ہنسنا، کھجکنا، ہنرنا اس کافی کو ٹیلی کے پیچھے لٹاؤں ہیں، یوازہ وار نہیں پھرے گا۔۔۔ اور وہ میو جلیٹ سے اور وہ میو سے نفرت کا اظہار کرے گی۔۔۔ چلو رہا ہے شروع ہو رہا ہے شروع ہوتی ہے۔ وہ سین شروع ہوتا ہے جہاں وہ میو تہہ لہنا کی بالکونی کے نیچے آکر محبت کا گیت گاتا ہے اور اسی گیت کی تکرار کرتا ہے مگر اس لئے ڈرامہ میں اصلی منظر کے بالکل برعکس وہ میو جلیٹ سے اور تہہ لہنا سے نفرت کا اظہار کرتی ہے بہت ہی تند و تیز الفاظ میں۔۔۔ پریم اور تہہ لہنا قہرور ویش برہان در ویش رو میو اور جلیٹ بن کر ایک دوسرے سے اس قسم کی گفتگو کرتے ہیں۔۔۔ کالے باؤ مسکاتا رہتا ہے وہ اسی درخوش ہے کہ خام زندگی میں نہ ہی ایسی ہی پریم اور تہہ لہنا ایک دوسرے سے گفتگو کریں وہ حکم دیتا ہے کہ کم از کم ایک دوسرے پر عمل کی جائے۔

تھیٹر ر ہال

تھاٹھیوں سے ہال کچھا کچھ بھرا ہے۔

x x x x x x

۱۰۰

ایسٹ کے اندر — ونکڑ کے پاس

سین شروع ہونے میں صرف ایک طرف باقی ہے کالے بالو، پریم، سیما، سینی اور دوسرے
سب کھڑے ہیں کالے بالو، سب ایک طرف بیٹھے ہیں تو پریم، سیما کے کان میں کتاب ہے "ہیما تم
کچھ فکر نہ کرو — مجھے ایک ترکیب سوچی ہے۔"

ہیما — دو بی زبان میں ایک؟

پریم اس کے کان میں کچھ کہتا ہے ہیما سہرا لاتی ہے اس کے بعد پریم دوڑ کر
سازندوں کے پاس جاتا ہے اور ان کے دستخط کے کان میں کچھ کہتا ہے وہ بھی مسکراتا ہے
اتنے میں کالے بالو اشارہ کرتا ہے کہ سب اپنی اپنی جگہ چلے جائیں۔

x x x x x x x x

تھیٹر — ہال

چنانچہ چھوٹا ہے — پر وہ اچھا ہے — ہیما، بالو، سیما کے لباس میں

نشریں پر کھڑی ہے۔ نیچے باغ میں رو میو ہاتھ میں برہم لے آہستہ آہستہ آتا ہے دونوں میں مکالمہ شروع ہوتا ہے الفاظ وہی ہیں۔ نیز قند لغت سے بھرے ہوئے مکر و فنون اپنے مکالموں کو بہت نرم و نازک اور محبت بھرے انداز میں ادا کرتے ہیں۔ موسیقی ساتھ دیتی ہے۔ سننے والے الفاظ بھول جاتے ہیں، انہیں یہی لگتا ہے جیسے دونوں محبت کر رہے ہیں جب دو گانا شروع ہوتا ہے تو اس سب کو بھی دھن اور ادائیگی الفاظ کی ورشکی کو اپنے ساتھ بہائے جاتی ہے۔ لوگ بہت محفوظ ہوتے ہیں۔ مگر کالے بالو جل جین جانا ہے اور ایک دم پروردگار دینے کا حکم دیتا ہے پروردگار ہے لوگ شور مچانا شروع کر دیتے ہیں مگر کالے بالو اس شور کی پروا نہیں کرتے اور پریم، ہما اور میوزک ڈائریکٹر کو اپنے کمرے میں طلب کرتا ہے۔

x x x x x x x x x

کالے بالو کا آئین

کالے بالو پریم، ہما اور میوزک ڈائریکٹر سے بیان لینا چاہتے ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی کالے بالو کے سوالوں کا جواب نہیں دیتا آخر میں وہ دھمکی دیتے ہیں کہ وہ تینوں کو اپنی کمپنی سے نکال دیں گے اس پر سنیتی کہتی ہے کہ یہ شہزاد اس لیے کی ہے یہ سننے ہی کا ہے بالو اس کے منہ پر پتھر مار تے ہیں مگر وہ غریب مہنتی رہتا ہے۔ پریم سے یہ برداشت نہیں ہوتا چنانچہ وہ اپنے جرم کا اقبال کر لیتے ہیں کالے بالو اس کا بیان سن

کر اسے اپنی کمپنی سے باہر نکال دیتے ہیں یہی کہتی ہے کہ اسے بھی نکال دیا جائے۔ مگر
 کالے بالوں نہیں مانتے اس لئے کہ کمپنی کے ساتھ اس کا تین برس کا معاہدہ ہے سینٹی بہت مطمئن
 سمجھتی ہے کہ قی ہے مگر کالے بالوں کا دل نہیں بیچتا۔۔۔۔۔ پریم دل برداشتہ ہو کہ
 وہاں سے چلا جاتا ہے۔۔۔۔۔ یہاں کا دل بھرتا ہے وہ بے مفہوم ہو جاتی
 ہے۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر کالے بالوں اس سے کہتے ہیں خیر دار! تم رومیؒ کی محبت
 کے آئینہ بننا منع ہے۔۔۔۔۔ سینٹی یہی کہتی ہے کہ باہر چلی جاتی ہے۔

x x x x x x x x x

باغ۔

چاندنی رات ہے۔۔۔۔۔ مفہوم یہی کہتے ہیں کہ اسے پاس بیٹھا دیتی ہے
 اور کہتی ابھی پریم نہیں ہو گا۔۔۔۔۔ اپنا سامان وغیرہ تیار کرتا ہو گا۔ میں اسے
 لاتی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ چلی جاتی ہے۔

x x x x x x x x x

پریم کا کمرہ

پریم اپنا مختصر سامان لئے کر باہر نکل رہا ہے سینٹی اس سے ملتی ہے اور کہتی
 ہے چلو تمہیں یہاں یاد رہی ہے۔۔۔۔۔ اس پر پریم کہتا ہے کہ لیکن سینٹی ایسی لطافت کا کیا

فائدہ جب میرے پاس محبت کے الفاظ نہیں —۔ اگر میرے پاس میں ہوتا —
 اگر میرے پاس دواست ہو تو آج رخصت ہونے وقت میں ایک ایسا
 گانا گاتا کہ ساری دنیا کانپ اٹھتی —۔ مگر کیا کروں مجبور ہوں — پہلے
 میں سمجھا کرتا تھا کہ ان پرانے ستاروں پر کسی کا قبضہ نہیں —۔ تندی کے بہتے
 ہوئے پانی میں سورج کے ڈوبتے ہوئے منظر سے غریب سے غریب بھی اپنا دل خوش کر
 سکتا ہے۔ مگر اب معلوم ہوا ہے کہ نہیں —۔ صرف وہی ان چیزوں کا لطف اٹھا سکتے ہیں
 جو چور ہیں —۔ جو ہوشیار ہیں جو میرا دل نکال کر اپنے پیلوں میں ڈال سکتے ہیں۔

سینٹی پریم کو ہیماس کے پاس لے جاتی ہے پریم خاموش کھڑا رہتا ہے، سینٹی چلی
 جاتی ہے —۔ چند منٹ تک ہیماس اور پریم دونوں پتھر کی صورتیں بنے پاس پاس بیٹھے
 رہتے ہیں اور کچھ نہیں بولتے، آخر پریم اس سے کہتا ہے: ”ہیماس میں چاہتا ہوں، اس
 وقت تم مجھ سے کیسے الفاظ سننے کے لئے تڑپ رہی ہو —۔ اور یہ تم بھی جانتی
 ہو کہ میں اس وقت تمہاری آنکھوں میں آنسو دیکھنے کا خواہش مند ہوں کیونکہ ہم ایک دوسرے
 سے جدا ہو رہے ہیں لیکن ہیماس تمہاری آنکھیں رو سکتی ہیں نہ میری زبان پرالواری آسکتی ہے
 اس لئے کہ محبت کے آنسوؤں اور محبت کے لفظوں پر کنٹرول ہے —۔ راسٹن کارڈیویری
 جیب میں پڑا ہے —۔ دوکانوں میں بڑی خوشی اور غمی کے ہزار دل گیت موجود ہیں
 مگر وہ ہمارے لیے نہیں —۔ ہم انہیں استعمال نہیں کر سکتے —۔ اس لئے کہ

پریم اگر نسبت کو ایک گیت نے جوائے تو وہ جو دس صدیوں سے بھونٹی محبت کرنا چاہتے ہیں
صرف نو سے کر سکیں گے۔۔۔ میں چاہتا ہوں ہیما۔۔۔ زندہ رہا اور محبت پر
یہ پابندی اٹھ گئی تو تم دیکھو گی کہ میرا دل خون کے آنسو روئے گا۔

ہیما ۱۔ پریم۔۔۔ میری آنکھیں رونا چاہتی ہیں مجھے کہیں سے دو آنسو لا دو۔
پریم :- ہیما۔ دنیا کی آنکھ میں آنسو نہیں ہیں کہاں سے لاؤں۔
یہ کہہ کر رخصت لئے بغیر چلا جاتا ہے۔ اتنے میں سیتی دوڑتی ہوئی آتی ہے اور

ہیما سے پوچھتی ہے "کون گئی پریم"

ہیما ۱۔ چلا گیا۔

سیتی :- (ہیما کو ایک کاغذ سے کر) لو میں تمہارے لئے یہ رگیت لائی ہوں گاؤ
ہیما کاغذ پڑھ کر گانا گائے کرتی ہے۔

پریم جو کہ بیمار ہوا تھا گانا سن کر رک جاتا ہے۔ اور ہیما کے پاس آتا ہے سیتی اس کو
بھی ایک کاغذ دیتی ہے اب دونوں میں ڈوٹ شروع ہوتا ہے یہ ختم ہونے کے بعد دونوں
سیتی کا شکریہ ادا کرتے ہیں اس کے بعد تینوں مل کر یہ شورہ کرتے ہیں کہ ہیما تھک
چھوٹ کر چلی جائے وہ بچوں کہ آنرہ ران پریم آئے۔ ہیما تیار رہے گی وہ اسے لے کر
کیس رو رو چلا جائے ہیما مان جاتی ہے۔ یہ غزوہ چہ کہ ہم پھر ایک دوسرے سے
محبت بنیں کہ سکیں مگے مگر یہاں رہنے سے تو وہ زمانہ لاکھ درجے اچھی ہوگی۔

جب پورا فیصلہ ہو جاتا ہے تو پریم چلا جاتا ہے۔ یہ آخری باتیں کہنے بابو
جواکب طرف چھپ کر کھڑا تھا۔ سن لیت ہے اور مسکراتا ہے۔

x x x x x x x x x x

x x x x x x x x x x

ڈاکٹر کا مطلب

بوڑھے نام چھوٹا مگر ڈگریاں غیر ختم ہوں، انٹی کہ پڑھی نہ جائیں۔ کالے بابو
کار میں آتے ہیں اور اندر داخل ہوتے ہیں۔

x x x x x x x x x x

مطلب کے اندر۔

کالے بابو کے داخل ہوتے ہی ڈاکٹر ان سے پوچھتا ہے کیسے کیسے تشریف
لائے کالے بابو۔ کسی دوسری نڑکی سے شادی کرنے کا ارادہ ہے۔
کالے بابو:- جی ہاں۔

ڈاکٹر:- مگر قصہ یہ ہے کہ جنگ کے باعث بہت سی دواہیں کمزور ہو گئی ہیں، اب
ہیں آپ کی ہونے والی بیوی کو مردانہ ایک روز تک۔ ہوش رکھ سکوں گا میرا مطلب یہ ہے
کہ مردانہ بارہ گھنٹے تک آپ جو چاہیں گے وہ کر رہے گی۔ آپ کا حکم مشین کی طرح ماننے رہے گی

اس سے زیادہ وقف کے لئے نہیں۔

کالے بابو۔ ایک روز کافی ہے۔

ڈاکٹر۔ سوچ لیجئے۔ ایک روز میں آپ کا کام ہو جائیگا۔ نا۔

کالے بابو۔ جی ہاں۔

ڈاکٹر۔ تو چلیئے۔

ڈاکٹر بیگ اٹھا کر کالے بابو کے ساتھ چلتا ہے۔

x x x x x x x x

بھینڈر — رہبرسل روم

کالے بابو ڈاکٹر سمیت اندر داخل ہوتے ہیں اور جو نوک وہاں جتنے تھے ان سے کہتے

ہیں کہ ڈاکٹر صاحب ٹیکہ لگانے کے لئے آئے ہیں۔ کیونکہ شہر میں ہیضہ پھیل رہا ہے۔ پہلی سینٹی کو

لگا یا جاتا ہے جب یہاں کی باری آتی ہے تو ڈاکٹر بڑی چالاکی سے شیشی بدل کر دوسری شیشی سے

دوا بھرتا ہے اور یہاں کے انجکشن لگا دیتا ہے۔

کالے بابو گھڑی میں وقت دیکھتا ہے۔ شام کے چار بجے ہیں۔ انجکشن

لے کر جب باہر نکلتا ہے تو سینٹی اس سے کہتی ہے: "میں بانامہ سے تمہارے لئے کچھ چیزیں لینے

یا رہی ہوں۔" وہیں سے پریم کو بھی ساتھ لیتے آؤں گی۔ تم رات کے دس بجے

بالکل تیار رہنا۔ پریم تمہیں آواز دے کر بلائے گا، تم کھڑکی کے پاس رہنا۔

x x x x x x x x

x x x x x x x x

بارغ۔

رات کے دس بجتے ہیں۔ سنبتی اور پریم آہستہ آہستہ کھڑکی کے نیچے آتے ہیں
 سنبتی پریم سے کہتی ہے۔ تم اسے آواز دے کر بلاؤ۔ میں گاڑی کے پاس کھڑی رہتی
 ہوں۔ یہ کہہ کر وہ چلی جاتی ہے۔ پریم آہستہ سے ہیا کا نام پکارتا ہے جب کوئی نہیں بولتا
 تو وہ دروازہ سے آواز دیتا ہے۔ کھڑکی کا پردہ ہٹتا ہے۔ ہیا نمودار ہوتی ہے
 اور پوچھتی ہے، دو کوں،

پریم ب۔ میں۔ پریم۔ آؤ،

ہیا ب۔ نہیں میں نہیں آؤں گی۔

پریم رجیرت زدہ ہو کر، ہیا میں ہوں۔ پریم۔

x x x x x x x x

اوپر کمرے میں

ہیا کھڑکی میں کھڑکی ہے اس کے پاس ہی کالے بالوں بیٹھے ہیں۔ ہیا بڑبڑاتی ہے پریم

پریم۔ میں جانتی ہوں۔

کالے بالو!۔ نہیں نہیں۔ وہ نہیں مار ڈالے گا۔

ہیما۔ (پریم سے ڈر کر) تمہیں مار ڈالوں گا۔ کہیں باتیں کر رہی ہو تم ہیما۔

ہیما۔ اکالے بالو کی طرف دیکھتی ہے۔

کالے بالو!۔ اس سے کہو جب تم مجھ سے محبت نہیں کر سکتے تو میں تمہارے ساتھ آکر

اپنی زندگی کیوں خراب کروں۔ میں کالے بالو سے کل شادی کر رہی ہوں۔

ہیما۔ (پریم سے) جب تم مجھ سے محبت نہیں کر سکتے تو تمہارے ساتھ آکر اپنی زندگی

کیوں خراب کروں، رہیں۔۔۔۔۔

پریم!۔ لیکن تمہیں کیا ہو گیا ہے ہیما۔

کالے بالو!۔ مجھے کچھ نہیں ہوا۔ میں نے سوچا ہے اور اسی نتیجہ پر پہنچی ہوں کہ

تمہارے ساتھ نکل جاؤں۔ وہ قوفی ہے۔ کالے بالو کیسے بھی ہیں لیکن وہ مجھے میری خواہش

کی ہر چیز ناکر دے سکتے ہیں۔ سو کچھ ہوا اسے میں ہاؤ اور مجھے ریمان کر دو۔

ہیما۔ کالے بالو کے انہی دس دن وطن رہا کرتی ہے۔ پریم کو بہت صدمہ پہونچا ہے وہ

کچھ ادا کشا پہونچتی ہے کہ ہیما۔ کالے بالو کے کہنے پر کھڑا بند کر دیتی ہے۔ کالے بالو اسے شاباش

دے کر کہتا ہے کہ سو جاؤ۔ جب وہ لیٹ جاتی ہے تو کالے بالو ابتر نکل جاتا ہے۔

x x x x x x x x x x x

کمرے کے باہر

باہر نکل کر کالے بابو پانڈو رنگ مٹا ہے اور اس سے پوچھتا ہے۔ ”سینی

دیوی کا کچھ تپہ چلا،

پانڈو رنگ۔۔۔ جی ہاں۔

کالے بابو۔۔۔ کس ہیں۔

پانڈو رنگ: باغ کے باہر ٹیکسی کے پاس کھڑی ہیں۔

کالے بابو: جلد ہی بھاگو۔۔۔ اس سے پہلے کہ وہ پریم سے کوئی بات کر سکے

اسے ٹیکسی میں بیٹھا کر لے جاؤ اور کہیں تھک کر دو۔

مجھے۔۔۔ جلد ہی کروا دیا۔

پانڈو رنگ دوڑتا ہے۔

x x x x x x x x x

باغ کے باہر

ٹیکسی کھڑی ہے اس کے پاس سینی پریم اور بیبا کا انتظار کر رہی ہے۔ چند لمحات

کے بعد پریم آتا ہے گھر اس کے ساتھ بیبا نہیں۔ سینی گھبرا کر پوچھتی ہے: ”کیوں؟ کیا ہوا؟

بیبا کیوں نہیں آئی۔“

پریم:۔۔۔ وہ نہیں آئے گی۔

سینتی :- کیوں ؟

پریم :- وہ آنا نہیں چاہتی ۔

سینتی :- ایسا کبھی نہیں ہو سکتا ۔

پریم :- کبھی کبھی ہو بھی جایا کرتا ہے ۔

سینتی :- آخر کیا ہوا ۔

پریم :- اس نے صاف صاف مجھ سے کہہ دیا ہے کہ سوچنے پر میں یہاں تک پہنچی ہوں کہ تمہارے ساتھ بھاگ نکلنا بے وقوفی ہے کالے بالو کیسے بھی ہوں لیکن وہ مجھے میری خواہش کی ہر چیز تو لا کر دے سکتے ہیں ۔

سینتی :- میں کچھ گئی ہوں اس کا مطلب ۔

پریم :- نہیں سینتی — اس نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ جب تم مجھ سے

محبت نہیں کر سکتے تو میں تمہارے ساتھ آکر اپنی زندگی کیوں خراب کر دوں — وہ کل اس سے شادی کر رہی ہے ۔

سینتی :- بھوٹ ۔ بالکل بھوٹ — میں سب کچھ گئی ہوں ۔ میرے ساتھ

بھی اس نے فریب کیا تھا — میرے ساتھ بھی اس نے اسی طرح شادی کی

تھی — دیکھو تم فوراً پولیس میں رپورٹ کھواؤ کہ کالے بالو زبردستی میرا شادی

کر رہا ہے ابھی جاؤ ابھی — لیکن دیکھو کل — کتنے بچے ؟ — ہاں کل

پریم ان کو بہت بھانے کی کوشش کرتا ہے کہ سب ایکٹریس ایک جیسی نہیں ہوتیں۔ یہاں بہت ہی شریف لڑکی ہے۔ مگر اس غریب کی کوئی نہیں سننا پولس کا ایک آدمی اس وورڈن میں اس سے پوچھتا ہے "کیا تم تو اس سے محبت نہیں کرتے؟"

پریم:۔۔۔ ڈر کر، جی نہیں۔

الٹیکٹر:۔۔۔ اپنا راشن کارڈ نکال کر دکھاؤ۔

پریم:۔۔۔ راشن کارڈ نکال کر دیتا ہے

الٹیکٹر:۔۔۔ نہیں اس نے ابھی تک اپنا یونٹ استعمال نہیں کیا۔

بہت دیر تک پریم ان کی منت سماجت کرتا ہے اور انہیں یقین دلانا ہے کہ ضرور کالے بابو اس ٹرکی پر تاج باندھ باؤ ڈال کر شاومی پر آمادہ کیا ہے ورنہ وہ تو اس سے سخت نفرت کرتی ہے۔۔۔ آپ ایک دفعہ اسے پکڑ کر عدالت میں تو پیش کیجئے۔ پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ پھر وہ سبنتی کا واقعہ بیان کرتا ہے کہ کس طرح کالے بابو کے آدمی اسے پکڑ کر لے گئے اب فور پولس والے ستوبر ہوئے ہیں۔ چنانچہ اس سے کہا جاتا ہے کہ وہ سادھی رات پولس چوکی میں رہے صبح جب مشاومی ہونے والی ہوگی تو وہ اس کے ساتھ چلیں گے۔ اس سے کہا جاتا ہے کہ ساتھ والے کمرے میں جا کر سو جائے۔۔۔۔۔ ایک سپاہی اس کے ساتھ چلتا ہے۔

میں یہ جی۔ نے کالی مارکیٹ سے لیا ہے۔ سفید مارکیٹ سے۔۔۔ میں نے نکالا ہے
دول پر بات کر رکھتا ہے، اس لال مارکیٹ سے۔

— نو سنو —

یہ کہہ کر گیت گانا شروع کر دیتا ہے۔ جو بالکل پریم کے حسب حال ہے۔

گانا ختم ہوتا ہے تو مجرم ہنستا ہوا ایک طرف بٹ جاتا ہے۔ سپریم خاموش
پتھر پر بیٹھ جاتا ہے اور سوچ میں غرق ہو جاتا ہے۔

x x x x x x x x x x

x x x x x x x x x x

تھیٹر ڈائریج

بہت سے لوگ جمع ہیں۔۔۔ کالے بابو سے تہہ کی شادی والی ہے۔
پرڈت ابھی تک نہیں آئے کالے بابو جلدی جلدی پنڈتوں کا میک اپ کرنے کے لئے
کہتے ہیں تاکہ یہ قصہ جلد ختم ہو۔۔۔ پھر وہ پانڈورنگ سے پوچھتے ہیں کہ سیتی محفوظ طرح
قید ہے نا؟۔۔۔ پانڈورنگ جواب دیتا ہے "جی ہاں" دو تین آدمی پہرے
پر بیٹھے ہیں۔

کٹ کر کے ہم دکھاتے ہیں کہ سبھی ایک دروازہ مقام پر ایک اندھیری کوٹھڑی میں بند ہے باہر کا سب سے باہر کے تین آدمی پہرہ پہنچے ہیں وہ ان لوگوں کی بہت منتیں سمجھتی کرتی ہے کہ اسے چھوڑ دیں مگر ان کے دل پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔

تعبیر (اسٹیج)

دولہا، دولہن بالکل تیار ہیں۔ کپنی کے آرٹسٹ پنڈتوں کا ایک اپ کر کے آتے ہیں۔

پولیس اسٹیشن۔

کٹ کر کے ہم دکھاتے ہیں کہ پریم پنچ پر سو رہا ہے۔ جرم سانوں کے عقب میں نمودار ہوتا ہے۔ اور کہتا ہے اب اٹھ بیٹھو میری جان۔ پریم بڑبڑا کر اٹھتا ہے اور دروازے پر دستک دیتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلتا ہے اور ایک دیا سیاہی اس سے پوچھتا ہے "کون ہو تم؟"۔ پریم جواب دینے کے موڈ میں کہاں سے نہ مٹوم کیا کیا بکتا ہے۔ قریب ہے کہ اسے پولس والے خوات میں بند کر دیں کہ جو انسپکٹر رات کو ڈیوٹی پر تھا اور صراحتاً کہتا ہے اور غریب پریم کی خلاصی ہوتی ہے۔

پیریم اسپیکٹر کورٹ کا وعدہ یاد دلاتا ہے۔ بڑی مشکوک کے بعد اسپیکٹر جانے پر راضی ہوتا ہے ٹھیکسی ملکانے کے لئے کہا جاتا ہے۔

✓ ✗ ✗ ✗ ✗ ✗ ✗ ✗ ✗ ✗

تختیہ (اصطلاح)

بہرہ افشقا ہے — بہوم نالیاں بجاتا ہے — نشی ہی آگے بڑھ کر
 حاضرین سے کہتے ہیں معزز حضرات — آج آپ کو ملک کے بغیر یہاں دعوت
 دی گئی ہے اس لئے کہ تھیرٹھ کے مالک جنابہ کا لے بابو کی شادی مشہور عالم
 ایکٹس پر ہی جمال اور جبرہ پیمانہ دی ہے ہو رہی ہے —

ہجوم شور مچانا شروع کر دیتا ہے کہ نین بیا کی شادی پریم سے ہونی چاہئے۔ کالے بابو اسی شور کی پر وائیں کرتے اور پندتوں کو حکم دیتے ہیں کہ وہ اپنا کام شروع کریں۔ پھر شور برپا ہوتا ہے قریب ہے کہ بیا اور کالے بابو کے بیاہ کی رسم پور ہو جائے کہ ایک دم اکیٹھ پر پو لیں کے سپاہی نمودار ہوتے ہیں اور شادی روک دی جاتی ہے، جب انسپکٹر کے ساتھ پریم اسٹیج پر آتا ہے تو ہجوم تائیاں بجانا شروع کر دیتا ہے لوگ بیک آواز پڑاتے ہیں بیا دلو ہی کی شادی پریم سے ہونی چاہئے۔ پر وہ گمراہ دیا جاتا ہے کالے بابو اور پندت براہمن میں سے رہے جانتے ہیں۔ انسپکٹر، بیا سے پوچھتا ہے کیا بچہ

ایرانہ دوستی تم سے شادی کر رہے تھے — یہاں کچھ جواب نہیں دیتی اور منہ
 ٹھکے پریم کا منہ دیکھتی رہتی ہے — انسپکٹر آفریم سے کہتا ہے "آج شام
 کو تین بجے کنٹرول راکٹ *CONTROL OF LOVE* کی عدالت میں یہ مقدمہ
 پیش ہوگا —

تمہاری حاضری ضروری ہے —

x x x x x x x x x x

گھنٹہ گھر —

گھڑیاں تین بجاتا ہے —

x x x x x x x x x x

کنٹرول آف لور *LOVE* کی عدالت —

عدالت کی گھڑی بھین بجاتی ہے — کرسی عدالت کے دونوں طرف کیوں
 کے بت موٹی موٹی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں ان کے اندر ایک بہت بڑا دل
 ہے جس پر قانون کی موٹی ٹھوکی گنتا ہیں دھرمی ہیں — چپڑا اسی وغیرہ سب جوان
 عورتیں ہیں جن کے پاؤں میں گھنگھر دبند سے ہیں — نگل بجاتا ہے اور دروازے
 میں سے کنٹرول راکٹ یعنی ناظم محبت ایک نشان کے ساتھ وارد ہوتے ہیں ان کے لبہ
 پر ہر جگہ لپ اسٹک لگے ہونٹوں سے نشان ثبت ہیں جب یہ کرسی پر بیٹھتے ہیں تو چپڑا اسی

دو کیوں توڑے لیتی ہوئیں ان کے سامنے رکھ دیتی ہیں۔ آپ موٹی آواز میں کہہ دیتے ہیں
 ”کارروائی شروع ہو“ یہ کہہ کر وہ تالی بجاتے ہیں۔

سامانداروازہ کھلتا ہے ایک پورا اور کٹر اندر داخل ہوتا ہے اور کرسیوں پر
 بیٹھ جاتا ہے۔ دوسری دفعہ تالی بجاتے ہیں تو ایک بنگلی دروازے سے ملازم یعنی کالے بالو
 آمدغیر سے دروازے پر سر جھکا کے اندر آتی ہے یہ دونوں کمنے سامنے کرسیوں
 میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پریم بھی ایک طرف بیٹھ جاتا ہے کٹر و لر صاحب! انپکڑے
 کہتے ہیں کہ وہ مقدمے کی مختصر و مذاہیان کرے۔ انپکڑے اور کٹر کی طرف دیکھتا
 ہے اور کہتا ہے ”دوسرا کالا“ یہ کہہ کر وہ گلا صاف کرتا ہے اور اپنی رپورٹ لگا کر
 سناتا ہے۔ اس کے بعد پریم کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اپنا بیان دے۔ پریم بھی
 اپنا بیان لگا کر دیتا ہے۔ بہت خوش الحان ہے اس لئے کٹر و لر صاحب خوش
 ہوتے ہیں اس کے بعد کٹر و لر صاحب یہاں سے کہے ہیں کہ وہ اپنا بیان دے۔ مگر وہ
 خاموش رہتی ہے بلکہ پرستاب وہی جاتی ہے بار مورخیم بجاتے ہیں خود کٹر و لر صاحب
 گاتے ہیں مگر یہاں خاموش رہتی ہے۔ گھڑی میں مواعین بج رہے ہیں کالے بالو
 پریشان ہیں لیکن پریم خوش ہے۔

x x x x x x x x

آمدغیر کی کوٹھڑی۔

سیتی اپنی گھڑی دیکھتی ہے اور سخت بے قرار ہو جاتی ہے۔ جیب میں ہاتھ ڈالتی ہے تو ان گیتوں کے کاغذ نکلتے ہیں جو اس نے کاغذی باجو کے میز سے جڑانے تھے۔ ایک کاغذ نکالتی ہے اور گانا شروع کر دیتی ہے۔

x x x x x x x x x x

”یہ گیت نہیں تمہارے دلوں کی دھڑکن ہے کیا تم اسے پہچانتے نہیں؟
ادھوا، انمول دولت ہے جو سرمایہ داری تھے تمہیں دھوکہ دے کر تم سے
کوڑیوں کے دام خریدی۔“

پھر دارا اس کی آواز سے محو ہو جاتے ہیں اور دروازہ کھول دیتے ہیں وہ ان
سے کہتی ہے ”اوپر اٹھیں، تم اتنے اچھے آدمی ہو۔۔۔ آؤ،
اپنی زندگی میں ایک اچھا کام کرو۔“

تینوں پہرہ دارا اس پر بہانہ بچا کر کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

x x x x x x x x x x

ڈاکٹر کا مطلب :-

سینٹی پہرہ داروں سمیت اندر داخل ہوتی ہے جب سینٹی اس سے وہ دوا
طلب کرتی ہے جو آدمی کو کچھ عرصے کے لئے بیہوش کر سکتی ہے تو ڈاکٹر انکار کر دیتا ہے
ہو جاتا ہے اس دوا کا انجکشن تم مجھے بھی لگا چکے ہو اب جھوٹ کیوں بولتے ہو۔

جب ڈاکٹر رعب ڈالنے کی کوشش کرتا ہے تو تینوں پہرہ دار اس کی خوب گت بناتے ہیں۔ ڈاکٹر فوراً دوا نکال کر ان کے ساتھ چلنے کو تیار ہو جاتا ہے ساڑھے تین بج چکے ہیں۔

X X X X X X X

ڈاکٹر کے مطلب کے باہر۔

سب جلدی جلدی ہو رہی تھیں مگر موٹر پلٹی ہے مگر حقوڑی دور چل کر ہی اس کا انجن خراب ہو جاتا ہے۔ سینٹی سخت پریشان ہوتی ہے۔

X X X X X X X

کنٹرول رات کو دھمکی عدالت

چار بجے ہیں جس منٹ رہتے ہیں۔ یہاں کی زبان کھولنے میں عدالت کی سب کوششیں بیکار گئی ہیں۔ سوئی ٹنگ جاتی ہے۔ تنگ اگر کنٹرولر صاحب کا لے باؤ سے کہتے ہیں کہ وہ اپنا بیان دے۔ کالے باز ایک گراموفون اٹھاتے ہیں۔ ایک میز پر رکھ دیتے ہیں دیکھ کر ڈیجنا شروع ہوتا ہے کالے بالو اپنے ہونٹ ہلانے رہتے ہیں اس کے بعد عدالت پر مڑوں سے کہتی ہے کہ وہ اپنی بحث شروع کریں۔ پیرسٹر پیکر داگ میں ایک دوسرے غیبت کہتے ہیں اتنا شور مچا ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ بحث ختم ہو تو چہ تو کنٹرولر

صاحب پر وہ منہ کیلے دوسرے کمرے میں چلے جاتے ہیں۔

سینٹی موٹر ٹھیک کر لی ہے اب وہ ڈاکٹر اور پیرہ داروں سمیت بجلی کی کڑی

کے ساتھ آرہی ہے۔

کنٹرول راکٹ (Love) کی عدالت

پیار بچنے میں پانچ منٹ بات ہیں۔ کنٹرولر صاحب تشریف لاتے ہیں
 آؤ کسٹرا کی طرف دیکھتے ہیں سائے بچے لگتے ہیں کنٹرولر صاحب لگا کر اپنا فیصلہ سناتے
 ہیں جو ہمارے بابو کے حق میں ہوتا ہے گھڑی چار بیاق ہے۔ یہاں کو ہوش آجاتا ہے
 وہ پریم کی طرف دیکھتی ہے اور چلاتی ہے وہ پریم۔ مگر عدالت درخواست پر دیکھی ہے۔
 کانے بابو اسے پکڑ کر ایک طرف لے جاتے ہیں۔ پریم سخت غم کے عالم میں
 عدالت سے باہر نکل جاتا ہے۔

عدالت کے باہر۔

کانے بابو یہاں کو زیر دستی اپنی موٹر میں بیٹھانے والے ہیں کہ سینٹی ڈاکٹر
 اور پیرہ داروں سمیت آن پہنچتی ہے اور شور مچا یا شروع کر دیتی ہے بہت لوگ اکٹھے

ہو جاتے ہیں۔ یہاں سے اب ہوش آچکا ہے وہ بھی کالے بابو کی گرفت سے آزاد ہونے کی کوشش کرتی ہے اتنے میں ہجوم کو پھرتے ہوئے کنٹرولر صاحب آگے بڑھتے ہیں اور سینٹی سے پوچھتے ہیں یہ ہماری عدالت کے سامنے کیا شویپ کر رہے سینٹی ساری داستان کنٹرولر صاحب سے عرض کرتی ہے ڈاکٹر اور پیرہ دار اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں یہ سن کر کنٹرولر صاحب کو سخت طیش آتا ہے اور وہ بازار ہی میں کسی مشکاکر ذرا عداوت کرتے ہیں مجرم یعنی کالے بابو کی سزا یہ ہے کہ ڈاکٹر ہر بارہ گھنٹے کے بعد اسے بے ہوشی کا انجکشن لگاتا رہے اور یہ سہوچہ برس تک جاری رہی ہو جو اس فیصلے پر بہت خوش ہوتا ہے — جب سینٹی اور سیکریٹری رہ جاتی ہیں تو سینٹی یہاں سے پوچھتی — ”پریم کہاں ہے“

یہاں جواب دیتی ہے ”مجھے معلوم نہیں۔۔۔!“

x x x x x x x

سمندر کا کنارہ -

مضوم اور شکست خوردہ پریم خودکشی کرنے کی غرض سے سمندر میں چھلانگ لگانا ہی چاہتا ہے کہ ایک سپاہی دوڑ کر اسے پکڑ لیتا ہے۔ اور پوچھتا ہے

”یہ تم کیا کر رہے ہو؟“

پریم : — اپنے آپ کو ہلاک کر رہا ہوں۔

سپاہی، تمہیں معلوم نہیں کہ موت پر کنٹرول ہو گیا ہے۔ اب کوئی بغیر اجازت نہیں مر سکتا۔ اسی اثنا میں ایک مرل آؤنی آتا ہے، سپاہی کو کاغذ کا ایک ٹکڑا دکھاتا ہے اور خاموشی سے سمندر میں پھلانگ لگاتا ہے۔

سپاہی پریم کہ کاغذ کا ٹکڑہ دکھاتے ہوئے، تمہیں اگر مرنا ہے تو ایسی پرمٹ لاؤ۔
پریم :- کہاں سے

سپاہی :- *control of death* کے آفس سے۔
پریم :- پرمٹ لینے کے لئے چلتا ہے۔

x x x x x x x x

کنٹرول آف ڈیٹھ کا دفتر (باہر)

باہر ایک بہت لمبا کو، لگا ہے پریم بہت جلدی مرنا چاہتا ہے چنانچہ وہ موت کے کئی امیدواروں سے انتخاب کرتا ہے کہ وہ اسے اپنی جگہ دے دیں مگر ان میں سے کوئی بھی راضی نہیں ہوتا ہر ایک یہی کہتا ہے تمہیں بہت جلدی ہے ہم قہقہہ رو رہے ہیں دھوپ میں بل رہے ہیں ڈیڑھ مہینہ ہوا جب ہم نے مرنے کی درخواست دی کبھی تم ابھی آئے ہو اور کہتے ہو کہ مرنے کی اجازت مل جائے اصل میں جو بھی آتا ہے وہ یہی کہتا ہے کہ اس کا دکھ زیادہ ہے اس کے لئے مر جانا بہت ضروری ہے مفتیں سمجھتیں کہ جب پریم تھک جاتا ہے تو وہ باہر کھڑے چپڑاسی کو

کو کچھ رسوخ دیتا ہے جو اسے فوراً ہی دفتر کے اندر بھیج دیتا ہے۔۔

x x x x x x x x x x

کنٹرولر آف ڈیپتھ کا دفتر (اندر)

پریم کا منر ہوتا ہے۔ اپنا حسب النسب بیان کرتا ہے کنٹرولر صاحب
غور سے اس کی درخواست سنتے ہیں اور بہت متاثر ہوتے ہیں مگر وہ مجبور
ہیں برتنورہ دار تم جانتے ہو کہ بنگال میں دو لاکھ آدمی مر چکے ہیں اب اگر میں ہر درخواست
دینے والے کو مرنے کا پر مٹ دیتا چلا جاؤں تو بتاؤ میں خدا کو کیا جواب دوں گا
تم خود غور کرو۔۔۔ میں جانتا ہوں کہ تمہارے لئے مرنا بہت ضروری ہے
لیکن مجھے یہاں قبرستان اور شمشان کو آباد نہیں کرنا ہیں۔۔۔ جب پریم بہت پر
دور درخواست کرتا ہے تو کنٹرولر صاحب کا دل پھٹتا ہے اور وہ ٹیلی فون اٹھا
کر ایک نمبر لگھاتے ہیں۔۔۔ ہلو۔۔۔ ہلو۔۔۔ چھوٹا قبرستان۔

x x x x x x x x x x

چھوٹا قبرستان۔

قبرستان کا نتیجہ۔۔۔ جی ہاں۔۔۔ فرمائے۔

x x x x x x x x x x

کنٹرولر آف ڈیپتھ (اندر)

کنٹرولر:- میں کنٹرولر آف ڈسٹریکٹ رہا ہوں — ایک آدمی کے لئے accommodation مل سکتی ہے۔

بینجر:- لمبائی چوڑائی کیا ہے۔

کنٹرولر:- پیریم سے، آپ کی لمبائی چوڑائی۔

پیریم:- دپاکٹ بک نکال کر، لمبائی چھ فٹ ایک اپنچ — چھاتی ساڑھے پوٹیس اپنچ۔

کنٹرولر:- دینجر سے، لمبائی چھ فٹ ایک اپنچ۔ چھاتی ساڑھے پوٹیس اپنچ۔
بینجر:- معاف کیجئے گا۔ ہمارے پاس اس وقت صرف چار فٹ کے آدمی کے لئے جگہ خالی ہے۔

کنٹرولر:- یقیناً پوڈر سیور رکھ کر پیریم سے مخاطب ہوتا ہے، نیچے انہوں سے کہ قبرستان میں صرف ایک چار فٹ کے آدمی کے لئے جگہ خالی ہے۔
پیریم مایوس ہو جاتا ہے۔ لیکن ایک دم اسے خیال آ جاتا ہے لیکن۔ لیکن میں ہندو ہوں جناب!

کنٹرولر:- اوہ! کہہ کر پھر ٹیلیفون کرتے ہیں لیکن مرگھٹ سے یہ جواب ملتا ہے کہ فی الحال صرف چار ہیٹھ کے بچے کو جلانے کے لئے اینڈرمن "دو جو رہے۔"
پیریم اور زیادہ مایوس ہو جاتا ہے لیکن کنٹرولر صاحب، جو بہت نرم دل ہیں دل میں

اس سے وعدہ کرتے ہیں کہ وہ دونین دن کے اندر اندر خاص سفارش کر کے اس کی موت کا انتظام کر دیں گے۔ پریم ان کا شکریہ ادا کرتا ہے اور چلا جاتا ہے۔

x x x x x x x x

کنڑو رات ڈیٹھ کا آفسی

باہر نکلتا ہے تو کیا دیکھتا ہے کہ عورتوں کے کیو میں سینٹی اور میا کٹری ہیں دونوں پریم کو دیکھتی ہیں تو بہت خوش ہوتی ہیں ان کا خیال تھا کہ پریم مرجکا ہو گا چنانچہ وہ بھی مرنے کا پرمٹ لینے کے لئے آئی تھیں۔ جب سینٹی پریم کو سارا قصہ سنا تو ہے تو پریم بہت خوش ہوتا ہے سینٹی کہتی ہے اسی خوشی میں گاہیں لگے گا کالماں ہے۔ سینٹی اپنی جیب میں سے کالے بالوں کا ایک گیت نکالتی ہے اور سب کا نا شروع کرتے ہیں۔

x x x x x x x x

ندی کنارے

تینوں یہ گیت لاتے ہوئے نندی کنارے پہنچتے ہیں گیت ابھی ختم بھی نہیں ہوا تھا کہ ایک سپاہی دوڑا۔

پریم :- رکیوں ؟

سپاہی :- کنڑو رات ڈیٹھ نے آپ کے لئے خاص طور پر ایندھن منگوا لیا

ہے۔ چلتے چلتا بالکل تیار ہے۔

مگر پریم اب جانے کے لئے تیار نہیں جب وہ میل و جنت کرتا ہے تو سپاہی اسے گرفتار کر لیتا ہے اور اسے دفترے جاتا ہے۔

x x x x x x x x x x
کنز و رائف و بیٹہ کا آفس۔

پریم بہت نیشیں سمجھتا ہے کہ اس کی پرمٹ منسوخ کر دی جائے مگر کنز و رما صاحب نہیں مانتے کیونکہ انہوں نے بڑھی مشکلوں سے ایک ہزار آڈیوں کی درخواستیں مسترد کر کے اس کے لئے خاص طور پر ایجنڈہ منسوخ کیا تھا اب وہ کیسے اس کی پرمٹ کینسل کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ خلاف قانون بھی ہے چنانچہ وہ حکم دیتے ہیں کہ سپاہی اسے مرگھٹ لے جایاں اور اسے جلا دیا جائے ہیما اور سینٹی کچھ بنیادیں کر سکیں اور خاموش رہتی ہیں۔

x x x x x x x x x x
مرگھٹ

لکڑیاں جینی جاتی ہیں۔ پریم ہیما اور سینٹی کو اب و اس کہتا ہے اور لکڑیوں کے بستر پر لیٹ جاتا ہے اس پر در پر لکڑیاں رکھی جاتی ہیں آگ نہ دیکھائے ہی والے ہوتے ہیں لایک سپاہی بھاگتا ہوا آتا ہے اور مرگھٹ کے منیجر سے کہتا ہے کہ ریٹنگ ختم ہو

گئی ہے "سارے کٹر ول بھی ختم ہو گئے ہیں۔

سینٹی اور ہیا کی جان میں جان آتی ہے۔ دونوں بڑے لکڑیاں ہٹاتی ہیں، اندر پریم کو باہر نکالتی ہیں۔ تینوں خوش ہیں۔ محبت پر سے کنٹرول اٹھ گیا ہے۔ سب مل کر خوشی کا گیت اپنا شروع کرتے ہیں۔

اس گیت جو عقب میں رکھے ہوئے ہم دکھاتے ہیں کہ بازاروں میں جہاں پہلے محبت کم کرنے کے لیے پوسٹر لگے تھے اب ان کی جگہ نئے پوسٹر چسپاں کئے جا رہے ہیں "محبت کیونکہ کہ محبت کرنے سے خدا ملتا ہے۔"

انجیل اندھی ہے لیکن جو محبت کرتے ہیں وہ خدا کو بھی دیکھ لیتے ہیں۔ "جو محبت کی تلاش میں مڑا ہے وہ کسی اور تکلیف میں نہیں۔ محبت کیونکہ تاکہ آپ کو زندگی کا لطف آئے۔"

طاهر سے طاهر احمد
سعید سے سعید



120

حاضر جب کنڈر گارٹن میں داخل ہوئی تو وہ اپنی
جماعت کے لڑکوں سے بہت دلچسپی لینے لگی۔ اُس کو اپنی ہم عمر
لڑکیاں فضول سی لگتی تھیں۔ وہ چاہتی تھی کہ لڑکوں جیسا لباس
پہنے۔ چنانچہ اُس نے کئی مرتبہ اسکول جاتے وقت ضد کی کہ وہ فریک
نہیں پہنے گی۔ اُسے نیکر اور کالروں والی قمیص پہنانی جائے۔ مگر
اُس کی یہ بات مافی نہ گئی۔

کنڈر گارٹن سے نکل کر وہ فرسٹ اسٹیڈرڈ میں آگئی۔ ذہین تھی
تھوڑے ہی عرصے کے بعد وہ آگے بڑھا دی گئی۔

اُس کو سیٹی بجانے کا بڑا شوق تھا۔ اُس کے والدین منع کرتے تھے
کہ یہ کسی لڑکی کو زیب نہیں دیتا کہ وہ سیٹیاں بجاتی چھرے مگر طاہرہ باز ہنر
مندی تھی۔

جب وہ چودہ برس کی ہو گئی تو وہ کنونٹ سے نکل کر کسی دوسرے اسکول میں نوزیہ جماعت میں تھی۔ بڑی ذہین تھی۔ اُس کی استانیاں اُس کی گردیدہ تھیں۔ مگر وہ خوش نہیں تھی۔ اس لیے کہ اس اسکول میں مخلوط تعلیم نہیں تھی۔ اُس کو اپنی ہم جماعت لڑکیوں سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ واپس کنونٹ چلی جائے جہاں لڑکے بھی ہوتے ہیں۔

جب اُس نے نوزیہ جماعت کا امتحان پاس کر لیا۔ بڑے اچھے نمبروں پر، تو اُس نے اپنے والدین سے استدعا کی وہ اُسے واپس انگریزی اسکول میں بھیج دیں، مگر وہ نہ مانے۔ اُس دن طاہرہ دیر تک روتی رہی۔

اُسے اب انٹرنس کا امتحان دینا تھا۔ محنت کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی۔ لیکن اُسے عجیب قسم کی جسمانی تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ جیسے اُس کے جسم کے تمام اعضا چٹخ رہے ہیں۔

اب وہ سولہ برس کی تھی۔ اُس کا جسم کنوآدی لڑکیوں کی تمام رعنائیوں کا مجموعہ تھا، لیکن اُسے کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا کہ وہ سکڑ رہی ہے۔ اُس کے اجزاء کوئی نئی حیثیت اختیار کر رہے ہیں۔

ایک رات وہ میٹھی اپنی سہیلی کے ساتھ الجھ پڑ رہی تھی کہ اُس کے جی میں آئی کہ اُس کا منہ چوم لے اور اُس سے مردانہ وار پیار کرے۔ بہت دیر

دیر تک اُس نے اپنی اس خواہش کو دبائے رکھا۔ آخر اُس سے ذرا گیا۔

اُس نے الجبرے کا ایک سوال حل کرنے کے بعد اپنی اس سہیل کو اپنی بانہوں میں پھینچ لیا اور اُس کے ہونٹوں کو چومنا شروع کر دیا۔ وہ بیماریاں بڑھلا گئی

”یہ آج تمہیں کیا ہو گیا ہے طاہرہ ؟“

طاہرہ کی آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں۔ اُس نے بس اتنا کہا :

”بس مجھے تم پر پیار آ گیا“

اُس کی سہیلی شاہدہ نے اپنے ہونٹ دوپٹے سے پونچھے :

”الجبرا بھی کوئی ایسی چیز ہے جسے پڑھتے پڑھتے آدمی کو ایسا پُر

جوش پیار آجائے“

طاہرہ نے فلسفیانہ انداز میں کہا :

”پیار بھی ایک قسم کا الجبرا ہے۔ یہ لگتا ہے۔ مگر تم کیا سمجھو گے“

شاہدہ کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا۔ وہ لاکے متعلق سوچ ہی رہی تھی

کہ طاہرہ نے اُسے پھر اپنی آغوش میں لے کر اُس کا منہ چومنا شروع

کر دیا۔ شاہدہ اتنی وحشت زدہ ہوئی کہ اپنی کتابیں وہیں چھوڑ کر بھاگ

گئی۔

اسی طرح ایک دن سعیدہ کے ساتھ ہوا۔ وہ طاہرہ کے پاس

بیٹھی تھی۔ دونوں موٹر کار میں بیٹھی تھیں۔ گاڑی ڈرائیور چلا رہا تھا
 طاہرہ کا ہاتھ سجدہ کے ابھرے ہوئے سینے کی طرف بڑھا اور اُسے
 ٹٹولنے لگا۔ سجدہ کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ دبی زبان میں اُس
 نے طاہرہ سے کہا :

”یہ کیا ہے ہو دگی ہے ؟“

طاہرہ مسکرائی :

”گھبراتا کیوں ہو، میں اکھاڑ کے تو نہیں لے جاؤں گی۔“

سجدہ نے طاہرہ کے سینے کی طرف دیکھا۔ اُس کی عمر سولہ سال سے
 زیادہ تھی، مگر سینہ بالکل سپاٹ تھا۔ جیسے وہاں کبھی کوئی چیز پیدا نہ
 ہوئی تھی۔

”تمھاری چھاتیوں کو کیا ہوا ہے، اب سے ایک برس پہلے اچھی بھلی
 تھیں۔ نظر آسکتی تھیں۔ پر اب جانے کہاں غائب ہو گئی ہیں۔“
 طاہرہ نے جواب دیا۔

”مجھے خیر تعجب ہے۔ میرا خیال ہے پچھلے دنوں جو مجھے مائی ٹائڈ
 ہوا تھا، اُس کی وجہ سے میں کمزور ہو گئی ہوں۔“

”کمزور تو تم بالکل نہیں ہوئی ہو، اچھی بھلی ہو۔ بلکہ پہلے سے کمی

کئی گنا زیادہ طاقت ور ہو۔ پر تم مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارے اوپر کے ہونٹ
گنا زیادہ طاقت ور ہو۔ پر تم مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارے اوپر کے ہونٹ پر
بال کیوں اُگ آئے ہیں ؟ "

" پتا نہیں، شاید اس کی وجہ بھی ٹائی فاسیڈ ہو "

" ہرے بکڑ ٹائی فاسیڈ — ! "

طاہرہ نے سعیدہ کی نکلائی منہ بولی سے پکڑ لی :

" لعنت بھیجو اس ٹائی فاسیڈ پر۔ مجھے تم سے محبت ہے "

سعیدہ مسکرائی :

" تو میں کیا کروں ؟ "

طاہرہ نے کہا :

" مجھ سے محبت کرو "

" مجھے محبت کرنا نہیں آتی "

طاہرہ نے کہا :

" بکڑ اس کرتی ہو۔ جب تمہاری شادی ہو جائے گی تو کیا تم اپنے

شوہر سے محبت نہیں کرو گی "

سعیدہ پھر مسکرائی :

" میں شادی کی قائل نہیں ہوں "

طاہرہ نے پوچھا :

”تو کس چیز کی قائل ہو — میں تو یہ پتا ہتی ہوں کہ مختاری میری

شادی ہو جائے۔“

”مختار ادا ماغ خراب ہو گیا ہے“

”کچھ ایسا ہی لگتا ہے۔“

”تو علاج کراؤ۔“

طاہرہ بیحد سنجیدہ ہو گئی۔

”سعیدہ، محارم نہیں مجھے کیا ہو گیا ہے — میں کئی دنوں سے محسوس

کر رہی ہوں کہ مجھ میں کوئی زبردست تبدیلی ہو رہی ہے۔ میری حالت

قابلِ رحم ہے۔ میں جانتی ہوں کسی لڑکی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ

کسی دوسری لڑکی کی چھاتیوں پر ہاتھ ڈالے، پر کیا کروں، میرے

اعزیز خواہش ایک دم پیدا ہو جاتی ہے اور میں کسی سہیلی کا منہ چومنا

شروع کر دیتی ہوں یا اس سے اس طرح پیار کرنے لگتی ہوں، جیسے غلوں

میں ہیرہ، ہیردین سے کرتے ہیں — یہ آخر ہے کیا؟“

سعیدہ کچھ سمجھ نہ سکی۔

”مجھے کیا معلوم — تم اصل میں ایک روز پاگل ہو جاؤ گی“

ظاہرہ نے سوچا اور اس کو ایسا محسوس ہوا کہ وہ پاگل ہو چکی ہے۔ اس سے ایسی کبھی حرکتیں سرزد ہو چکی تھیں جن سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا تھا۔

اپنے بھائی کی پتلون پہن کر کمرے کے تمام دروازے بند کر کے گھنٹوں ٹہلتی رہتی۔ کبھی کبھی اپنے باپ کے سگرٹ کیس میں سے دو تین سگرٹ الٹا لیتی اور غسل خانے میں جا کر پیتی۔

وہ سعیدہ سے بے حد پیار کرنے لگی تھی، مگر وہ بے اعتنائی برتنی جس سے ظاہر کو بہت دکھ ہوتا۔ چنانچہ وہ کئی کئی گھنٹے روتی۔ اس کو عشق و محبت سے بھرپور رخو لکھتی مگر وہ جواب نہ دیتی۔

اسکی شادی کے کئی پیغام آئے مگر اس نے اپنے والدین سے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ وہ کزناری رہے گی۔ اسے شادی سے کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ اپنی تعلیم جاری رکھنا چاہتی ہے۔

ظاہرہ نے اپنی تعلیم جاری رکھی۔ مگر اس میں کچھ ایسی تبدیلیاں پیدا ہو رہی تھیں کہ وہ ہر وقت پریشان رہتی۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ انٹرنس کے امتحان ہو گئی۔ اس کو اپنی اس ناکامی پر اتنی اندامت ہوئی کہ سات آٹھ دن اپنے کمرے سے باہر نہ نکلی۔

اس کے والدین بڑے پریشان تھے۔ اول تو انہیں اس بات پر حیرت تھی کہ وہ فیل کیے ہو گئی۔ پھر وہ یہ سوچتے تھے کہیں ظاہرہ کا داغ تو نہیں پھیل گیا۔ وہ عجیب و غریب حرکت کرتی تھی۔ اس کے والد کو یہ پتہ نہ چل گیا کہ وہ سگرٹ پیتی ہے۔ اپنے بھائی کی پتلون

پہن کر کمرے میں ٹھہرتی ہے۔ اپنے بالائی ہونٹوں کے مہین مہین بال سیلفی ریزر سے بوڑھتی ہے۔ وہ خیران تھے کہ یہ قصہ کیا ہے ؟

بہت دنوں کے بعد آخر ایک دن طاہرہ نے اپنی ماں سے بہت جھنجھپ جھپٹ کر کہا کہ وہ لڑکا بن رہی ہے۔

اس کی ماں نے سمجھا کہ اس کا دماغ ٹھیک نہیں اسی لئے یہ بکواس کر رہی ہے۔ لڑکی سے لڑکا کیسے بن سکتا ہے۔ اس نے اس کا ذکر اپنے خاوند سے کیا جو پڑھا لکھا آدمی تھا۔ اس کو معلوم ہوا کہ لڑکی سے لڑکا اور لڑکے سے لڑکی بن جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ طاہرہ کو فوراً اپنے ایک دوست ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔

طاہرہ بڑی شرمیلی تھی۔ اس کے باپ کا خیال تھا کہ وہ ڈاکٹر سے معائنہ نہیں کرائے گی۔ مگر اس نے کوئی حیل و حجت نہ کی۔

ڈاکٹر نے اس کا معائنہ کیا اور طاہرہ کے والد کو بتایا کہ واقعی آپچی لڑکی لڑکا بن رہی ہے بلکہ قریب قریب بن چکی ہے۔

طاہرہ کو ہسپتال داخل کر دیا گیا۔ وہاں اس کا اپریشن کیا گیا۔ اس نے اپنی خمپوٹی چھوٹی اندر کو دھنسی ہونی چھاتیوں پر کس کے کپڑا باندھ رکھا تھا۔ جب اس کا اپریشن کامیاب ثابت ہوا تو وہ بالکل غائب ہو گئیں اور طاہرہ مکمل لڑکا بن گئی۔

جب وہ ہسپتال سے نکلی تو اس کی سہیلیاں اس سے ملنے آئیں۔ مگر وہ اپنے کمرے سے باہر نہ نکلی۔ اس کے باپ نے اسے گایوں بھیج دیا۔ وہاں اس کے بال کٹوائے

گئے۔ مٹھائی بانٹی گئی۔ گھاؤں والے سب حیران تھے کہ یا الہی یہ ماجرا کیا ہے۔ لڑکی سے لڑکا کیسے بن سکتا ہے۔ شیرنی، شیر بن جائے، یہ کیسے ممکن ہے۔

وہ شیرنی تو نہیں تھی بڑی نرم و نازک لڑکی تھی۔ تمام نسوانی صفات کی حامل۔ مگر اب وہ لڑکا بن چکی تھی۔ اس کی آنکھوں میں لڑکیوں ایسی جیا تھی۔ اس کے خد و خال بھی قہقہے نسوانی تھے۔ اس کی ادائیں بھی نسوانی۔

اس کا نام طاہرہ عبد اللہ رکھ دیا گیا۔ وہ اب مردانہ لباس پہنتی تھی، اور بہت خوش ہوتی۔ ڈاکٹر کامر ٹیفکٹ اپنے کے بعد کہ انکی جنس تبدیل ہو گئی ہے۔ اسے ایک اسکول میں داخل کرا دیا گیا۔ یہاں سب لڑکوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ وہ لڑکی سے لڑکا بنی ہے۔ چنانچہ اس کو ہر طالب علم چھیڑتا تھا۔

ظاہرہ بہت جربز ہوتی۔۔۔ بلکہ یوں کہتے کہ طاہرہ بہت زچ آجاتا۔ لیکن تمکو سے کام لیتا۔ لڑکے یہ سمجھتے تھے کہ وہ ابھی نازک اندام ہے۔ لیکن ایک روز جب ایک طالب علم نے اس سے ناشائستہ مذاق کیا تو اس نے اس کو اسکول کے کپاؤنڈ میں پیٹ ڈالا۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ وہ ضعیف نازک کے علاقے سے باہر نکل چکی ہے۔

اس کے والدین پریشان تھے کہ اس کی شادی کیلئے کون رخصتا ہو گا۔ طاہرہ نے بی اے پاس کر لیا۔ اب وہ اچھا خواصا جوان لڑکا تھا، مگر اس کی آنکھوں میں ابھی تک نسوانیت کی جھلک تھی۔ اس کے والدین نے اس کی شادی کیلئے کئی جگہ کوشش کی

مگر کوئی نہ مانا۔ ان کو شاید یہ شبہ تھا کہ طاہر مردانہ قوتوں کا مالک نہیں۔ لڑکی سے لڑکا بن کے وہ کیسے پورا مرد بن سکتا ہے۔

ایک دن طاہر کے باپ نے اخبار میں پڑھا کہ سرگزد میں ایک لڑکا لڑکی بن گیا ہے۔ وہ فوراً پتہ لگا کر وہاں پہنچا اور اس لڑکے کو جو لڑکی بن گیا تھا دیکھا۔ بڑا خوبصورت تھا۔ اس نے جب اپنا اطمینان کر لیا کہ وہ اب واقعی لڑکی ہے، تو اس نے اپنی لڑکی طاہرہ کا، جو اب طاہر تھی، رشتہ پیش کیا جو قبول کر لیا گیا۔ اس لڑکے کا نام سعید تھا۔ مگر اب اسے سعید کہہ کے پکارا جاتا تھا۔ طاہرہ سابق طاہرہ اور سعیدہ سابق سعید کی شادی ہو گئی۔ دونوں کی ازدواجی زندگی بھی مسرت میں گزر رہی ہے۔

سعادت حسن منٹو

۹ اگست ۱۹۵۴ء

سیاہا سنے

فسادات کے بارے میں غٹونے جن جن
لطیف باتوں کو دیکھا اور سنا انہیں بھی قلمبند کر دیا تھا۔

پھوٹا

ہجوم نے رُخ بدلہ اور سرگنگرام کے بڑے پربل پڑا لاٹھیاں
پر سائی گئیں۔ اینٹیں اور پتھر پھینکے گئے۔ ایک نے منہ پر تار کو ل مل
دیا۔ دوسرے نے بہت سے پرانے جوتے جمع کئے اور ان کا مار
پنا کہ بہت سے گلے میں ڈالنے کے لئے آگے بڑھا۔ اور پولیس آ
گئی اور گولیاں چلنا شروع ہوئیں۔ جوتوں کا مار پہنانے والا زخمی
ہو گیا۔ چننا پتھر مرہم پٹی کے لئے اسے سرگنگرام ہسپتال بھیج دیا
گیا۔

حلال اور جھٹکا

”میں نے اس کی شہ رگ پر پھری رکھی: دولے ہوئے پھیری اور اس کو حلال کر دیا۔“

”یہ تم نے کیا کر دیا؟“

”کیوں؟“

”اس کو حلال کیوں کیا؟“

”مزدہ آتا ہے اس طرح۔“

اور مزدہ آتا ہے کہ بچے، تجھے جھٹکا کرنا چاہیے تھا — اس طرح“
اور حلال کرنے والے کی گردن کا جھٹکا ہو گیا۔

رعایت

”میری آنکھوں کے سامنے میری جوان بیٹی کو نہ مارو“

”چلو اسی کی مان لو — کپڑے اتار کر

ہانک دو ایک طرف۔“

آرام کی ضرورت

”مرا نہیں — دیکھو ابھی جان باقی ہے۔
 ”رہنے دو یا ر — میں تھک گیا ہوں۔“

بڑھاکھوسٹ

(۳۱ مئی ۱۹۵۷ء)

یہ جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد کی بات ہے جب میرا عزیز ترین دوست لیفٹیننٹ کرنل محمد سلیم شیخ (اب ایران، عراق اور دوسرے محاذوں سے ہوتا ہوا مجھے پہنچا۔ اس کو اچھی طرح معلوم تھا، میرا فلیٹ کہا ہے۔ ہم میں لگے گا ہے خط و کتابت بھی ہوتی رہتی تھی۔ لیکن اس سے کچھ نہیں آتا تھا، اس لئے کہ ہر خط سنسر ہوتا ہے اور اس سے جانے یا ادھر سے آئے عجیب معیبت تھی۔ مگر اب ان معیبتوں کا ذکر کیا کرنا۔ اسے بیٹی کے بی، بی، اینڈ سی، آئی، اسے ٹرمینس پر اس کی پلاسٹنگ ہوئی۔ اس وقت دوسرا لیفٹیننٹ تھا، ہم دونوں ویسٹ ویلیرس ویلیرس کے اسٹیشن کے بلوفے، میں بیٹھ گئے اور پورے کے بارہ ایک بجے تک ٹھنڈی ٹھنڈی بیربریتے رہے۔ اس نے اس دن ان میں مجھے کئی کہانیاں سنائیں۔ جن میں سے ایک خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

اس نے ایران عراق اور خدام علوم ان ان ملکوں کے اپنے دوستوں
میں سفارتا پیشہ در عاشق تو کاغذ کے زائے سے تھا۔ ان کی دستاویزیں اگر میرزا کا
تو ایک ضخیم کتاب بن جاتے۔ بہر حال آپ کو اتنا جتنا ضروری ہے کہ اس سے لڑکیوں کو
بہتر طرف متوجہ کرنے کا کچھ معلوم تھا۔

گورڈن کا لڑکا روڈینڈی میں چہ راجہ اندر تھا۔ اس سے دربار میں ویاہ کی تمام پرکار
تیار ہو چکی تھی۔ خوبصورت تھا۔ کافی خوبصورت مگر اس کا حسن
مردانہ حسن تھا۔ چلی تو کمال ناک جو یقیناً پنا کام کر جاتی ہوگی۔ چھوٹی چھوٹی کمر
مجدد سے رنگہ کی آنکھیں، جو اس کے صبر سے پرست گئی تھیں بڑی ہوتیں تو شاید
اس کی ساری کشش ماری جاتی۔

وہ کہتا تھا جس طرح لارڈ بائرن صرف کچھ عرصے کے لئے کسی سے دل چسپی
بیٹا تھا اور اسے چھوڑ کر آگے بڑھتا، جیسے وہ اس کی زندگی میں کبھی آئی ہی نہیں
اسی طرح کا سلوک وہ اپنے حوالہ میں پھنسی ہوئی لڑکیوں سے کرتا۔ مجھے اس کا یہ
رویہ پسند نہیں تھا کہ یہ میری نظر میں بہت ظالمانہ ہے۔ مگر وہ بے پروا تھا۔
اور کچھ پٹے۔ غالب پڑھو رہا تھا۔ کیا کہتا۔ اسے متن یاد کبھی نہیں رہتا تھا، مگر
ان کا منہم اپنے الفاظ میں اور کر دیا کرتا۔ وہ کہتا ہے، وہی شائع ہو گیا
اور جنت میں رہی ان کے حور۔ واللہ زندگی ابھرن ہو گیا۔ وہ کہتا ہے۔
کی کہنی بڑا ہلی ہلی کارس چوسو۔ کتنی کئی مسکری کی نہ ہو جو بڑا ہی کامیاب ہے۔

شیخ سلیم کو اس قسم کی باتیں عموماً کھا جاتی تھیں اس لئے اپنی مبین مبین موبھیوں
کو تاؤ دینے کی کوشش کی اور کہا در اچھا، تم دیکھ لینا — کیا ہو گا؟
اس کی پانی کے ایک قوی میل لڑکے نے پوچھا۔
کیا ہو گا؟

شیخ سلیم نے اس کو جھاگ کی طرح بٹھا دیا۔ "ہو گا تنہا ہی ماں کا سر —
جب شادی کا دن آئے گا، دیکھ لینا — چلو آؤ میرے سامنے مجھے تم سے
چند باتیں کرنی ہیں۔"

شادی کا دن آگیا۔ بارات جب دو بہا دالوں کے گھر کے پاس پہنچی تو کوئی شخص
سر پہرے باندھے بڑے اچھے گھوڑے پر سوار اندر داخل ہو گیا دو بہا موٹر میں تھا
جس پر چھوٹوں کا جال بنا ہوا تھا۔

گھوڑے سوار پہرے سے لڑا چندا شامیانے کے پاس تھا۔ گھوڑا خود دو بہا بنا ہوا
تھا۔ دولہن کا باپ اور اس کے رشتہ دار آگے بڑھے۔ گھوڑے کا مالک مہاگا مہاگا
آگیا تھا۔ اس مہرے سے لڑے ہوئے آدمی کو اس جگہ بٹھا دیا گیا، جہاں دولہن کو
بھی۔ خندہ بیٹھا تھا۔ بیچ میں ہون کوٹھ تھا، جس میں چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کے کھیلے
جل رہے تھے۔ انہوں نے ننگے بدن اٹھ کر دولہن کو اخیر راوی اور دولہن سے
کہا کہ سر راوی دولہن کو جلد باندھتے مہر ت ہو گیا ہے۔"

نہرہ رکتی پہنچ گئی اور کچھ عرصے کے لئے دولہا کے ساتھ بٹھا دی گئی۔ پٹٹ جی نے کچھ پڑھا، جس کا مطلب میری سمجھ میں نہ آیا۔ لیکن ایک دم شادی کے آئیں جلسے میں ایک ہڑبواگ سی مت گئی، جب کار سے ایک دولہا نکل کر آئے۔ منے آگیا اور بلند آواز میں تمام حاضرین کو مخاطب کیا۔ میرے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔ میں دعویٰ دائر کر دوں گا۔

وہ دولہا جو ہاتھ پکڑ کر دولہن کو اٹھا رہا تھا بڑی خوفناک آواز میں چلتا آیا ہے۔ عاب نے دھڑ سے دائر کرنے کے کچھ لگتے۔

یہ کہہ کر اس نے اپنے پھولوں کا گھونگھٹ اٹھا دیا اور ان ہزار کے قریب آدمیوں سے جو شامیانے کے نیچے کچھ کہنا چاہا۔ مگر تہنہ کا ایک سمنہ ہو گیا اور نہ لگا۔ دوسری پارٹی کے آدمی بھی من تہنہ میں شریک ہوئے، کیونکہ سب یہ پھولوں کا پردہ علیحدہ ہوا اور انہوں نے دیکھا کہ شیخ سلیم ہے۔

رکتی بڑی خفیف ہوئی اگر شیخ سلیم نے بڑی جرأت سے کام لے کر اس سے بند آواز میں پوچھا، تم اس چند کے ساتھ شادی کرنے کے لئے تیار ہو۔ رکتی خاموش رہی۔ ہنستا، تہنہ لگا اور اپنے گھوڑے پر بڑی صفائی سے سوار ہوا اور اڑاڑ۔ لگا کر کوئی سے باہر نکل گیا۔ گھوڑے سے اتر کر دم دولہا نکل گئے تھے، اس لئے کہ میں اس کے پیچھے گھوڑے کی سی تیز رفتاری سے بھاگا تھا، اس نے بیراک نہ عاب سے زور سے بلایا۔ کیوں بیٹے، تم سے میں نے کیا کہا تھا۔ اب

دیکھ لیا؟

ہوا تو سب کچھ ٹھیک تھا مگر مجھے ڈر تھا، کہیں شیخ سلیم گرفتار نہ ہو جاتے ہیں
نے اُس سے کہا "جو تم نے کیا وہ اور کوئی نہیں کر سکتا، لیکن بھائی میرے کہیں
بہنسی میں پھنسی نہ ہو جائے۔ فرض کرو اگر کتنی کے باپ سے تجھے گرفتار کرادیا؟"

وہ اکو کر بولا "اس کے باپ کا باپ بھی نہیں کر سکتا۔۔۔ کون اپنی
بیٹی کو عدالت چڑھا جائے گا۔۔۔ میں تو اسی وقت گرفتار ہونے کے لئے تیار ہوں
مے جارتے تھے جتنا ہے۔۔۔ اس سال کے سارے پول کھولی دوں گا۔۔۔

میرے پاس اس کے دو جنوں خطوط پڑے ہیں :

مارے شہر میں ہی افواہ پھیلی ہوئی تھی کہ کتنی کا باپ شیخ سلیم کو ضرور اس کی
گستاخی کی سزا دلوائے گا کہ وہ سادھی عمر یاد رکھے۔ مگر کچھ نہ ہوا۔

جب کئی دن گزر گئے تو وہ میرے پاس گاتا ہوا آیا۔
"تمہی خبر گوم کہ قالب کے اڑیں گے پرزے

دیکھتے ہم بھی گتے بد وہ نسا ثنا نہ ہوا"

اب میں اس کہانی کی طرٹ پلٹتا ہوں جو اس واقعے سے بھی کہیں زیادہ عجیب

اور مہذب خیال ہے۔ یہ خود اس نے مجھے سنائی جس کی صداقت پر تجھے سو فی

صد یقین ہے۔ اس لئے کہ شیخ سلیم جھوٹا کہیں نہیں تھا

میں نے مجھے بتایا کہ میں ایران میں متحدہ دہائی کی لڑکیاں عام یورپین لڑکیوں

کی طرح ہوتی ہیں وہی لباس وہی وضع قطع مابین ناک لفتے کے لہجہ سے کافی
 غلف ہوتی ہیں — جسکی خرافات وہاں ہوتی ہے شاید ہی کسی اور ملک
 میں ہوتی ہے — میں نے وہاں کئی شکا رکھیں۔ وہ میرے ایک بڑے افسر
 کرنل عثمانی تھے سالہا ان کا عہدہ میدا کہ ظاہر ہے مجھ سے بہت بڑا تھا۔ لیکن وہ
 میرے بڑے بہرہ بان تھے۔ میں میں جب بھی بے دیکھتے زور سے پکارتے —
 ادھر آؤ شیخ! میرے پاس بیٹھو! اور وہ میرے لئے ایک کرسی منگواتے۔ دسکی
 کا دور پہنچا تو ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیتے۔ کرنل عثمانی صاحب کو مجھ سے چیر لڑائی
 کر کے میں خام مزہ آتا — جب وہ کوئی فقرہ مجھ پر چیت کرتے تو بہت خوش
 ہوتے — کافی مہتر آدمی تھا۔ اس کے علاوہ بڑا افسر میں خاموش رہتا —
 ان کو ان بدستانی نرسوں سے بڑی دلچسپی تھی جو وہاں ایسولنس کو رہیں کام کرتی
 تھیں — یہ پولستانی رکابیاں بالکی تو مند ہوتی ہیں — یہ موٹی موٹی سفید
 پنڈلیاں۔ بڑی مضبوط چھاتیاں بڑی بڑی اور صحت مند اکوٹھے چھوڑے اور گوشت
 سے بھرے ہوئے جن میں سختی ہو — لوہے ایسی سختی — میری کئی دوست تھیں
 یہ جب میں اکڑن سے لا تو سب کو بھول گیا۔ سارے ایران کو بھول گیا۔ بڑی مفتیں
 تھیں نقش سب چھوٹے چھوٹے تھے۔ اگر تم اس کی جہاتیوں اور پنڈلیوں کو پیش نظر
 رکھتے تو یہی سمجھتے کہ اس کے لامحہ ڈیل روٹی کے مانند ہوں گے۔ اس کی انگلیاں اتنی
 موٹی ہوں گی جیسے کسی درخت کے ٹہن — مگر نہیں دوست، اس کے ہاتھ بڑے

نرم و نازک تھے، اور اس کی انگلیاں، تم یہ سمجھ لو کہ چشتی کی بنانی مقصود دن کو مزدوری
لاہی نہیں، مگر پتی پتی تھیں۔۔۔۔۔ میں تو اس پر فائز ہو گیا۔۔۔۔۔ چند روز کی
ملاقاتوں ہی میں اس کے میرے تعلقات بے تکلفی کی حالت تک بڑھ گئے۔

یہاں تک پہنچ کر شیخ رک گیا۔ ایک نیا پیگ گلاس میں ڈالا اور سوڈا ملا کر
عطا غٹ پی گیا۔ نہ برباد کر ڈیہ قصہ، میں نے اس سے کہا کہ لفٹ صاحب، آپ
آپ نے خود ہی تو شروع کیا تھا۔

اس نے مانتے پر تیوری چڑھا کر میری طرف دیکھا، ایک اور پیگ اپنے گلاس میں
تین پار پیگ جو بوتلی میں باقی بچ گئے تھے، اتھارنا میرے گلاس میں ڈالے اور خود
سوکھی جسے انگریزی میں نیٹ کہتے ہیں پی گیا اور کھانسن کھانسن کر اپنا برا حال کر دیا۔
صفت ہو تم پر!

یعنی یہ کیا موقعہ تھا مجھ پر لعنت بھیجنے کا۔

اس کی کھانسی اب بند ہو گئی تھی اور وہ دو ماں سے اپنا منہ پونچھ رہا تھا کہ کچھ نہ
پوچھو میری جان۔۔۔۔۔ دوسرے روز رات کو کرلی صاحب سے ملاقات
ہوئی۔۔۔۔۔ انہوں نے بڑے طنز سے کہا، کہو صاحب زادے، بچے بڑھا
سمجھتے ہو۔۔۔۔۔ وہ تم نے ضرب، اٹل نہیں سی۔۔۔۔۔ ملایا ایک دن پرانا سودن
۔۔۔۔۔ میں نے اُن سے عرض کی، کوئی صاحب، آپ کا میرا کیا مقابلہ۔۔۔۔۔ مگر میں
نے دل ہی دل میں سوچا کہ یہ کبھی اس حقیقت سے اس بات تک فاصلی ہے کہ قبریں پاؤں

ہکا۔ سے بیٹھا ہے اندر عشق فرما رہا ہے۔

میں تو خدا کی قسم جب اس عمار کو پہنچوں گا تو خود کشتی کر دیں گا۔ اس منہ کے
ساتھ ہمیں اس وقت دانتیں مصنوعی ہیں، میری آنکھیں پر نگاہیں لگائے بیٹھے ہیں۔ کرنل
ہو گا تو اپنے گھر میں۔ اس نے کبھی پھر اس کی بات کی تو ایک ایسا گھونسا جماؤں گا اس کی
سولگی کر دوں یہ کہہ کر باہر آجائے گا۔

دیر تک اس نے کھوٹ سے آنکھیں نہایت ہی بیماری آنکھ کے متعلق باتیں
ہوتی ہیں۔ وہ دھڑکنے سے باز نہ آیا۔ دس کی گیارہ بج رہا تھا میں نے اپنے
ہونٹوں پر بڑی غصہ دار قسم کی مسکراہٹ پیدا کی اور اس سے کہا کہ کرنل صاحب جو
آپ نے بڑھانے وہ خود بڑھائے۔ آپ تو ماشا اللہ دھماکا پان ہیں۔

یہ محفل ختم ہوئی تو میں بہت خوش ہوا۔ آنکھیں نے چور سے وعدہ کیا کہ وہ دوسرے روز
میں ہونٹوں میں شام کو سات بجے ملے گی۔ اس میں فیچوں کو اجازت تھی۔ تو اترنا اس
نے میں وہ دہائی کے جاتے نہایت اعلیٰ سوٹ پہن کر وہاں پہنچا۔ سات بجے میں ابھی نو
منٹ باقی تھیں ڈانگک حال میں داخل ہوا، تو میرے پاؤں دیں کے وہیں جم گئے
کرنل صاحب اس پاس بیٹھے ہوئے لوگوں سے غافل آنکھ کا بڑا المباہوسہ ہے۔
بچے ایسا محسوس ہوا کہ میں اس کرنل سے کہیں زیادہ بڑھا کھوٹ بن گیا ہوں۔

حافظ حسن دین

حافظ حسن دین جو دونوں انگلیوں سے اندھا تھا، نافر شاہ کے گھر میں آیا۔ پٹیا لے
کا ایک دوست رمضان علی تھا۔ جس نے نافر شاہ سے اس کا تعارف کرایا۔ وہ حافظ
صاحب سے مل کر بہت شاعر ہوا۔ گو ان کی انگلیں دیکھتی تھیں، مگر نافر شاہ نے یوں محسوس
کیا کہ اس کو ایک نئی جہسارت مل گئی ہے۔

نافر شاہ ضعیف اعتقاد تھا اس کو پیروں فقیروں سے بڑی عقیدت تھی جب حافظ
حسن دین اس کے پاس آیا تو اس نے اس کو اپنے فلیٹ کے نیچے، موٹر گیارہ بیٹھ گیا۔
اس کی وہ حدایت پاؤں لگا تھا۔

نافر شاہ سید تھا مگر اس کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ مکمل سید نہیں۔ چنانچہ اس سے
حافظ حسن دین کی خدمت میں گزارش کی کہ وہ اس کی تکمیل کر دیں، حافظ صاحب نے
موتور دی ورنہ اپنی بے نور آنکھیں گھما کر اس کو جواب دیا نہ بیٹا۔ تو پورا سید بن گیا۔

تو غوث اعظم جیلانی سے اجازت لینا پڑے گی۔

”تو آپ اندر اوکرم اجازت لے لیجئے۔“

حافظ صاحب نے مہر اپنی جگہ نور آنکھیں گھمایں۔ اُن کے حضور میں توفرشوں

کے پر جلتے ہیں۔

ظفر شاہ کو بڑی ناامیدی ہوئی۔ ”آپ صاحب کشف ہیں۔“ کوئی

دراوا تو ہو گا۔

حافظ صاحب نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی۔ ”ہاں۔“ چلے

کاٹنا پڑے گا بجے۔

”اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو اپنے اس خادم کے لئے کٹا لے لیتے۔“

”سوچوں گا۔“

حافظ حسن دین ایک مہینے تک سوچتا رہا اس دوران میں ظفر شاہ نے اس کو خاطر

مدارت میں کوئی کسر اٹھانا نہ دیکھی۔ حافظ صاحب کے لئے وہ صبح اٹھتے ہی وہ ڈیرٹھ

پاؤ بام توڑتا ان کے منہ نکال کر سروائی بنا تا۔ دوپہر کو ایک سیر گوشت بھجوا کر اُن

کی خدمت میں پیش کرتا شام کو نانی ملی ہوئی چائے پاتا۔ رات کو ایک مریض مسلم

حاضر کرتا۔

یہ سارا چلتا رہا آخر حافظ حسن دین نے ظفر شاہ سے کہا ”اب مجھے آوازیں

آنی شروع ہو رہی ہیں۔“

اقدس میرے ساتھ ہوگی تو ڈر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

جب سارا خرچ ختم ہو گیا تو حافظ صاحب نے ظفر شاہ سے کہا: میرے ہاتھ دھلاؤ۔ اور کسی کنوئیں پر لے چلو۔

ظفر شاہ نے اس کے ہاتھ دھلائے تو لئے سے پونچھے اور اسے ایک کنوئیں پر لے گیا جو شہر سے کافی دور تھا، حافظ حسن دیر چادر پیٹ کر بیٹھ گیا مگر حافظ صاحب نے چٹا کر کہا: پانچ قدم پیچھے بٹ جاؤ۔ میں پڑھنے والا ہوں، کنوئیں کا پانی باب بھر جائے گا۔ تم ڈر جاؤ گے۔

ظفر شاہ ڈر سے دس قدم پیچھے بٹ گیا۔ حافظ صاحب نے پڑھنا شروع کر دیا۔

رمضان علی بھی ساتھ تھا جس سے ظفر شاہ سے حافظ صاحب تعارف کر لیا۔ وہ دور بیٹھا مونگ چھلکھا رہا تھا۔

حافظ صاحب نے کنوئیں پر آنے سے پہلے ظفر شاہ سے کہا تھا کہ وہ سیر چادر ڈھیر رکھ کر اور پانچ بھر کالی مرچوں کی مزدت ہے، جو اس کا معمول کھائے گا یہ تمام چیزیں حافظ صاحب کی چادر میں بندھ چکیں۔

دیر تک حافظ حسن دین معلوم نہیں کس زبان میں پڑھتا رہا مگر اس کے معمول کی کوئی آواز نہ آئی۔ نہ کنوئیں کا پانی اور نہ پڑھنا۔ حافظ نے چادر ڈھیر رکھ کر کنوئیں میں پانی ڈال دیا، پھر جی کچ نہ ہوا۔ چند لمحے کل سکوت رہا۔ اس کے بعد

حافظ بہرِ حذب کی کیفیت طاری ہوئی اور وہ بند آواز میں بولا ”ظفر شاہ کو کراچی لے جاؤ
اس سے پانچ سو روپے لو اور گجرالوالہ میں زمین الاٹ کرو“

ظفر شاہ نے پانچ سو روپے حافظ کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ اس نے
یہ روپے اپنی جیب میں ڈال کر اس سے بڑے جلال میں کہا ”ظفر شاہ — تو یہ روپے
دے کر سمجھتا ہے، مجھ پر کوئی احسان کیا ہے۔“

”ظفر شاہ نے سرتاپا عجز میں کر کہا ”نہیں حضور — میں نے تو آپ کے ارشاد
کی تعمیل کی ہے۔“

حافظ حن دین کا لہجہ فرانزہم ہو گیا ”دیکھو سر دیو کی کا موسم ہے، میں ایک دوست
کی خدمت ہے۔“

”چلئے ابھی خرید لیتے ہیں۔“

”دو گھوڑے کی بوکی کی قبض اور ایک پیپ شو۔“

ظفر شاہ نے غلاموں کی طرح کہا ”حضور آپ کے حکم کی تعمیل ہو جائے گی۔“
حافظ صاحب کے حکم کی تعمیل ہو گئی پانچ سو روپے کا دھسہ پچاس روپے
کی قرائقی ٹوپی، بیس روپے کا پیپ شو — ظفر شاہ خوش تھا کہ اس نے ایک بیٹے
ہونے بزرگ کی خدمت کی ہے۔

حافظ صاحب وائٹ فائبر میں سو رہتے تھے کہ اپنا ایک بڑا بڑا نے لگے ظفر شاہ
فرش پر بیٹھا تھا اس کی آنکھ لگنے لگی تھی والی تہ کہ چوہہ نہ کر رہے تھے۔ ظفر شاہ صاحب کہتے تھے

مخے ”حکم ہوا ہے۔۔۔ امھی امھی حکم ہوا ہے کہ حافظ حسن دین تم دریا نے
 راوی پر جاؤ اور وہاں چلے کاٹو۔۔۔ چلے کاٹو۔۔۔ چلے کاٹو۔۔۔ وہاں تم اپنے
 معمول سے بات کر سکو گے۔“

ظفر شاہ، حافظ کو ٹیکسی میں دریا نے رلوئی پر سے گیا۔ وہاں حافظ چھپا لیس گئے
 معلوم نہیں کیا کچھ پڑھتا رہا۔ اس کے بعد اس نے ایسی آوازیں جو اس کی اپنی نہیں مٹی
 کہا در ظفر شاہ سے تین سو روپے اور لو۔۔۔ اپنے بھائی کی آنکھوں کا علاج کر دو۔۔۔
 تم اتنے فاضل کیوں ہو۔ اگر تم نے اس کا علاج نہ کر لیا تو وہ بھی تمہاری طرح
 اندھا ہو جائے گا۔“

ظفر شاہ نے تین سو روپے دے دیئے۔ حافظ حسن دین نے اپنی بے نور آنکھیں
 گھمائیں جن میں مسرت کی جھلک نظر آ سکتی تھی اور کہا، ”ڈاکٹرانے میں میرے بارہ سو
 روپے جمع ہیں۔۔۔ تم کچھ فکر نہ کرو۔۔۔ پہلے پانچ سو اور یہ تین سو۔۔۔ کل اچھٹ سو
 ہوئے۔۔۔ میں تمہیں ادا کر دوں گا۔“

ظفر شاہ بہت متاثر ہوا روحی نہیں۔۔۔ ادائیگی کی کیا ضرورت ہے۔ آپ کی
 خدمت میرا فرض ہے۔“

ظفر شاہ دیر تک حافظ کی خدمت کرتا رہا۔ اس کے عوض حافظ نے چالیس دن
 کا چلے کاٹا، مگر کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا

ظفر شاہ نے یہی کئی رتبہ محسوس کیا کہ وہ پورا سید بن گیا ہے اور اس کی تمہیر

ہو گئی ہے، مگر بعد میں اس کو مایوسی ہوئی کہ وہ نیکہ وہ اپنے میں کوئی فرق نہ دیکھتا اس کی تشفی نہیں ہوتی تھی۔

اس نے سمجھا کہ شاید اس نے حافظ صاحب کی خدمت پوری طرح ادا نہیں کی جس کی وجہ سے اس کی امید بر نہیں آئی، چنانچہ اس نے حافظ صاحب کو روزانہ ایک مرنے کھانا شروع کر دیا با داموں کی تعداد بڑھا دی۔ دودھ کی مقدار بھی زیادہ کر دی۔

ایک دن اس نے حافظ صاحب سے کہا ”پیر صاحب — میرے حال پر کرم فرمائیے — میری ملا کبھی تو پوری ہوگی یا نہیں؟“

حافظ حسن دین نے بڑے پیرانہ انداز میں جواب دیا ”ہوگی — ضرور ہوگی ہم اتنے چلے کاٹ چکے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تبارک تم سے ناراض ہیں تم نے ضرور اپنی زندگی میں کوئی ایسا گناہ کیا ہوگا۔“

ظفر شاہ نے کچھ دیر سوچا وہ حضور — میں نے — ایسا کوئی گناہ نہیں کیا جو —

حافظ صاحب نے اس کی بات کاٹ کر کہا ”میں نہیں ضرور گنہا ہوگا۔“

”ذرا سوچو۔“

ظفر شاہ نے پھر کچھ دیر سوچا ”ایسا مرتبہ نہیں ہے اپنے والد صاحب کے بڑے سے امٹھ آنے سے چھ ماہ پہلے۔“

یہ کوئی اشارہ اگلا نہیں — اور سوچو — کبھی تم نے کسی لڑکی کو بڑی شاہد سے دیکھا تھا؟

ظفر شاہ نے ہچکچاہٹ کے بعد جواب دیا ”ہاں پیر و مرشد — صرف ایک مرتبہ“

”کون سی وہ لڑکی؟“

”جی میرے چچا کی“

”کہاں رہتی ہے؟“

”جی اسی گھر میں“

حافظ صاحب نے حکم دیا ”بلوڈ اس کو — کیا تم اس سے مشاوری کرنا چاہتے ہو؟“

”جی ہاں — ہماری سنگنی قریب قریب ملے ہو چکی ہے“

حافظ صاحب نے بڑے پر جلال لہجے میں کہا ”ظفر شاہ — بلوڈ اس کو تم نے مجھ سے پہلے ہی یہ بات کہہ دی ہوتی تو مجھے بیکار اتنا وقت نہ ملتا“

ظفر شاہ ہمشیش و پرخیں چڑ گیا وہ حافظ صاحب کے حکم کو ٹال نہیں سکتا تھا۔ اور پھر اپنی ہونے والی سنگتر سے یہ کہیں نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ حافظ صاحب سے بادلِ نغواستہ اوپر گیا۔ بلقیس بیٹی ناول پڑھ رہی تھی۔ ظفر شاہ کو دیکھ

کہ وہ ذرا سہل گئی اور کہا ”آپ آج میرے گھر میں کیسے آگئے؟“
 نضر شاہ نے دبے لہجے میں جواب دیا ”وہ ————— وہ جو حافظ صاحب آئے“
 ہوسکتے ہیں نا —————

بلقیس نے ناول ایک طرف رکھ دیا ”ہاں، ہاں ————— میں نے انہیں کئی مرتبہ
 دیکھا ہے ————— کیا بات ہے“

”بات یہ ہے کہ وہ تم سے ملنا چاہتے ہیں۔“
 بلقیس نے حیرت کا اظہار کیا۔ ”وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔“
 کی تو انکے میں ہی نہیں۔“

”وہ تم سے چند باتیں کرنا چاہتے ہیں۔ ————— بڑے صاحب کشف
 بزرگ ہیں۔ ————— ان کی برکت سے ممکن ہے ہم دونوں کا سہرا
 ہو جائے۔“

بلقیس مکاری، معلوم نہیں آپ اتنے ضعیف الاعتقاد کیوں ہیں۔ ————— لیکن چلئے
 اذیذا ہی تو ہے۔ ————— اس سے کیا پردہ ہے۔

بلقیس نضر شاہ کیساتھ نیچے واسٹ لائن میں گئی۔ حافظ حسن دین بیٹا پلنگوز سے کہا
 رہا تھا جب اس نے قدموں کی پاپ بینی تو بولا ”اگے نضر شاہ“

نضر شاہ نے تھیںجا جواب دیا ”جی ہاں حضور“

”دہی لال“

حافظ صاحب نے اپنی بے نور آنکھوں سے بلقیس کو دیکھنے کی کوشش کی
کہا اور بیٹہ جاؤ میرے سامنے۔ بلقیس سامنے اسٹول پر بیٹھ گئی۔

حافظ صاحب نے طعنے سے کہا۔ ”اب تمہاری مراد برائے گی۔ ہم اس لاکھ کو
بتائیں گے۔ انشاء اللہ سب کام ٹھیک ہو جائے گا۔“

نظر شاہ بہت خوش ہوا۔ اس نے فوراً پھل منگو اسنے اور بلقیس سے کہا۔
حافظ صاحب معلوم نہیں کتنی دیر لگائیں۔ ان کی خدمت کو یاد دہو لیا۔“

حافظ نے کہا دیکھو ہم تم سے بہت خوش ہیں تمہاری طبیعت چاہتی ہے کہ
تمہیں بھی خوش کر دیں۔ جاو بازار سے چار تولے نوشادر ایک تولہ چوندہ دس تولے
شکرہ اور ایک مٹی کا کوزا لے آؤ۔ جتنا ان کا وزن سے اتنا ہی سونا بن جائیگا۔“

نظر مہا گامبا کا بازار گیا اور یہ چیزیں خرید لایا۔ جب اپنے واسطہ ہاتھ میں پہنچا
تو کوڑا کیلے تھے اور اس میں کوئی بھی نہیں تھا اور پر گیا تو معلوم ہوا کہ بی بی بلقیس بھی نہیں ہے

انارکلی

یکم جون ۱۹۵۷ء

ہم اس کا سلیم تھا اگر اس کے یار دوست اسے شہزادہ سلیم کہتے تھے۔ غالباً اس کے خدوخال منطقی تھے۔ غم بصورت تھا چال و حال سے رعوت ٹپکتی تھی۔

اس کا باپ پی ڈبلیو ڈی میں ملازم تھا تنخواہ زیادہ سے زیادہ دوسو روپے ماہوار تھی، مگر بڑے مٹا مٹے رہتا۔ ظاہر ہے کہ رشوت کھاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سلیم چھ سے اچھا کپڑا پہنتا۔ جیب خرچ اس کو کافی ملتا تھا، اس لئے کہ وہ والدین کا اکوٹا لڑکا تھا۔

بہت بن بھٹن کے رہتا۔ اس کے پاس کئی سوٹ تھے، کئی قمیض تھیں، جو وہ بدل بدل کے پہنتا۔ شو کم از کم بیس کے قریب ہوں گے۔

جب کالج میں تھا تو کئی لڑکیاں اس پر جان چڑھتی تھیں مگر وہ بے اعتنائی رہتا۔ آخر اس کی آنکھ ایک شورش و فحاش لڑکی جس کا نام بیبا تھا لڑ گئی۔ سلیم نے اس سے

یہ کہہ کر سچا چلی گئی، سلیم جو انارکلی کے خواب دیکھ رہا تھا، آنکھیں جھپکنا رہ گیا اس نے بہت بڑی طرح فکرت کھائی تھی۔

اس سے قبل اس کی زندگی میں کئی لڑکیاں آچکی تھیں، جو اس کی اُمید کے انشائے پر چلتی تھیں۔ مگر یہ سنا کیا سمجھتی ہے اپنے کہ۔۔۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بہسورت ہے۔ جتنی لڑکیاں میں سے اب تک دیکھی ہیں ان میں سب سے زیادہ حسین ہے مگر بچے ٹھکرا دینا۔۔۔ یہ بہت بڑی زیادتی ہے۔ میں مزید اس سے بدلہ لوں گا۔ چاہے کچھ بھی ہر جائز ہے۔

شہزادہ سلیم نے اس سے بدلہ لینے کی کئی سکیں بنائیں مگر بار آمد ثابت نہ ہوئیں اس نے یہاں تک سوچا کہ اس کی ناک کاٹ ڈالے وہ یہ جرم کہ بیٹھا کر اسے سیک کے چہرے پر یہ ناک بہت پسند تھی۔ کوئی برے سے بڑا مصدور بھی ایسی ناک کا تصور نہیں کر سکتا تھا۔

سلیم تو اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہوا، مگر تقدیر نے اس کی مدد کی اس کی والدہ نے اس کے رخصتہ ڈھونڈنا شروع کیا۔ نگاہ انتخاب آخر سیا پہر پڑی جو اس کی بہیلی کی لڑکی تھی۔

بانت پتی ہو گئی مگر سلیم نے اٹھارہ روپے اس پر اس کے والدین بہت ناراض ہوئے مگر میں دس بارہ روز تک ہنگامہ مچا رہا۔

سلیم کے والد ذرا سخت طبیعت کے تھے۔ انہوں نے اس سے کہا تمہیں ہمارا فیصلہ

”میاں افتخار الدین کی لڑکی؟“

”جی ہاں، اس کا نام نیکا افتخار ہے۔ میرا خیال ہے وہی ہے۔“

اس کے والد بے تماشہ مینے گئے در خیال کے بچے۔۔۔ تمہاری شادی اسی

لڑکی سے قرار پائی ہے۔۔۔ کیا وہ تمہیں پسند کرتی ہے؟“

سلیم بوجھلا سا گیا۔ یہ سلسلہ کیسے ہو گیا اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ کہیں اسی کا

باپ جھوٹ تو جنیں بل رہا تھا؟۔۔۔ سلیم سے جو سوال کیا گیا تھا اس کا جواب اس

کے والد کو نہیں ملتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے کڑک کر پوچھا ”سلیم مجھے بتاؤ کس

سیما تمہیں پسند کرتی ہے؟“

سلیم نے کہا ”جی نہیں۔“

”تم نے یہ کیسے جانا۔“

”اس سے ایک بار میں نے مختصر الفاظ میں محبت کا اظہار کیا۔۔۔ لیکن اس

نے مجھے۔۔۔“

”تمہیں درخور اعتنا نہ سمجھا۔“

”جی ہاں۔“

”بڑی بے رُخی ہے۔“

سلیم کے والد نے اپنے گنجے سر کی تھوڑی دیر کے لئے کھجلیا اور کہا ”تو بھریہ

رشتہ نہیں ہونا چاہیے۔۔۔ میں تمہاری ماں سے کہتا ہوں کہ وہ لڑکی والوں سے

کہہ دے کہ لڑکار نہ مرنے نہیں ۱۱

سلیم ایک دم جذباتی ہو گیا نہ نہیں آیا جان — ایسا مت کیجئے شادی ہو جائے تو سب خشک ہو جائے گا میں اس سے محبت کرتا ہوں اور کسی کی محبت اکارت بنیں جائی — لیکن آپ ان لوگوں کو میرا مطلب ہے سنا کہ وہ پتہ نہ لگنے دیکھتے کہ اس کا بیٹا بھرتے ہو رہا ہے جس سے وہ بے رخی اور بے اعتنائی کا اظہار کر چکی ہے ۱۱

اس کے باپ نے پسینے گنے سر پر ہاتھ پیرا ۱۱ میں اس کے متعلق کچھ سوچوں گا ۱۱

یہ کہہ کر وہ چلے گئے کہ انہیں ایک ٹھیکہ رو سے رشوت وصول کرنا تھی انہوں نے بیٹے کی شادی کے اخراجات کے سلسلے میں ۔

شہزادہ سلیم۔ جب رات کو بنگ پر سونے لگے ایسا تو اسے انا کی کہیاں ہی کہیاں نظر آئیں۔ ساری رات وہ ان کے خواب دیکھتا رہا۔

گھوڑے پر سوار باغ میں آیا ہے — شاہانہ لباس پہنے۔ اس پر تازی سے اتر کر باغ کی ایک روش پر جا رہا ہے — کیا دیکھتا ہے کہ سیانا کے بوٹے کی سب سے اونچی شاخ سے ایک نوخیز کٹی توڑنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس کی بجاری جبر کہ کتابیں بکھری پڑی ہیں — زلفیں اٹھیں ہوئی ہیں اور وہ اچک اچک کر اس شاخ تک اپنا ہاتھ پہنچانے کی کوشش کر رہی ہے، مگر ہر وار ناکام رہتی ہے۔

وہ اس کی طرف بڑھا۔ انار کی جھاڑی کے پیچھے چھپ کر اس نے اس
 شاخ کو پکڑا اور جھکا دیا۔ سیانے وہ کلی توڑ لی جس کے وہ اتنی کوشش
 کر رہی تھی۔ لیکن فوراً اسے اس بات کا احساس ہوا کہ وہ شاخ پیچھے
 کیسے جھک گئی۔

وہ ابھی یہ سوچ رہی تھی کہ شہزادہ سلیم اس کے پاس پہنچ گیا۔ بیجا
 گھبرا گئی۔ لیکن منہ خیر کر اس نے اپنی کتابیں اٹھائیں اور اہل میں داب میں، انار کی
 اپنے جوڑے میں ایس بی اور یہ خشک الفاظ کہہ کر وہاں سے چلی گئی۔ آپ کی
 امداد کی جگہ کوئی ضرورت نہیں تھی۔ بہر حال شکریہ ادا کئے دیتی ہوں۔
 تمام رات وہ اسی قسم کے خواب دیکھتا رہا، یہاں اس کی بھاری بھر کم کتابیں
 انار کی کلیاں اور شادی کی دھوم دھام۔

شادی ہو گئی۔ شہزادہ سلیم نے اس تشریف پر اپنی انار کی ایک جھلک بھی
 نہیں دیکھ پائی تھی وہ اتنی لمبے کے لئے تڑپ رہا تھا جب سیانے کی آغوش میں ہوگی
 وہ اس کے اتنے پیارے گاہک وہ تنگ آکر رہتا شروع کر دے گی۔

سلیم کو رونے والی لڑکیاں بہت پسند تھیں۔ اس کا یہ فلسفہ
 تھا کہ عورت جب رو رہی ہو تو بہت حسین ہو جاتی ہے۔ اس کے آنسو
 شبنم کے قطرؤں کی مانند ہوتے ہیں جو مرد کے جذبات کے پھولوں پر پڑ پڑتے
 ہیں جن سے اسے ایسی راحت ملتی ہے اور ایسی فرحت ملتی ہے جو اور کسی

منصیب نہیں ہو سکتی۔

رات کو دس بجے دلہن کو محلہ عروسی میں داخل کر دیا گیا، سلیم کو بھی اجازت ملی گئی کہ وہ اس کمرے میں جا سکتا ہے۔ لڑکیوں کی چھپر چھپاڑ اور رسم در سوم سب ختم ہو گئی تھیں۔ وہ کمرے میں داخل ہوا۔

پھولوں سے سجی ہوئی مہری پردہ دلہن گھونگھٹ کا رٹھے ریٹیم کی گھڑی سی بنی بیٹھی تھی، شہزادہ سلیم نے خاص اہتمام کر لیا تھا کہ پھول، انار کی کلیاں ہوں — وہ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ مہری کی طرف بڑھا اور دلہن کے پاس بیٹھ گیا۔

کافی دیر تک وہ اپنی بیوی سے کوئی بات نہ کر سکا — اس کو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس کی نفل میں کتابیں ہوں گی جن کو وہ اٹھانے نہیں دے گی آخر اس نے بڑی جرأت سے کام لیا اور اس سے کہا ”سیما —“

یہ نام جیتے ہی اس کی زبان خشک ہو گئی لیکن اس نے بڑی جرأت فراہم کی اور اپنی دلہن کے چہرے سے گھونگھٹ اٹھا دیا اور بھونچکا رہ گیا۔ یہ سیما نہیں تھی، کوئی اور ہی لڑکی تھی — فار کی ساری کلیاں اس کو ایسا محسوس ہوا کہ مرجھا گئی ہیں۔

طلاوٹ

(۹۱ مئی ۱۹۵۴ء)

امرت سر میں علی محمد کی منہاری کی دوکان تھی۔ چھوٹی سی، مگر اس میں ہر چیز موجود تھی۔ اس نے کچھ اس قرینے سے سامان رکھا تھا کہ ٹھنڈا ٹھنڈا دکھائی نہیں دیتا تھا۔

امرت سر میں دیکھ کر دوکاندار بیک کرتے تھے، مگر علی محمد وہی طرح پر اپنا مال فروخت کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ دوسروں سے اس کے پاس آتے اور اپنی ضرورت کی چیزیں خریدتے۔

وہ مذہبی قسم کا آدمی تھا۔ زیادہ منافع لینا اس کے نزدیک گناہ تھا۔ اکیلی جان تھی، اس کے لئے باندہ نہ تھا۔

سارا دن دوکان پر بیٹھا، گاہکوں کی بھیڑ مگنی رہتی۔ اس کو بعض اوقات افسوس ہوتا جب وہ کسی گاہک کو سلاٹ صابن کی ایک ٹیکہ نہ دے سکتا یا کیلی فورن

پوپی تیل کی بوتل کیونکہ یہ چیزیں اسے محدود ملتی تھیں۔

بلیک نہ کرنے کے باوجود وہ خوشحال تھا اس نے دو ہزار روپے پس انداز کر رکھے تھے۔ جوان تھا۔ ایک دن دکان پر بیٹھ بیٹھے اسی نے سوچا کہ اب شادی کر لینی چاہیے۔ بڑے بڑے خیالی دماغ میں آتے ہیں۔ شادی کر لوں کہ زندگی میں لطافت پیدا ہو جائے گی۔ بال بچے ہوں گے ان کی پرورش کسے سنتے ہیں اور زیادہ کمانے کی کوشش کر دوں گا۔

اس کے والدین عرصہ ہوا اللہ کو پیار سے بڑھچکے تھے اس کی کوئی بہن ممتی نہ بھائی وہ بالکل اکیلا تھا۔ شروع شروع میں جب کدہ دس سال کا تھا۔ اس نے اخبار بیچنے شروع کئے۔ اس کے بعد خرابچہ لگایا۔ ٹھیکیاں بچیں۔ جب اس کے پاس ایک ہزار روپیہ جمع ہو گیا تو اس نے ایک چھوٹی سی دکان کراسے پر ملے لی اور منہاری کا سامان خرید کر بیٹھ گیا۔

آدمی ایماندار تھا۔ اس کی دکان تھوڑے ہی عرصے میں چلی نکلی۔ جہاں تک آمدن کا تعلق تھا، وہ اس سے بے فکر تھا اگر وہ چاہتا تھا کہ پنا گھر بسا دے۔ اُس کی پوری ہونے پہنچے ہوں، اور وہ ان کے لئے زیادہ سے زیادہ کمانے کی کوشش کرے۔ اس لئے کہ اس کی زندگی مثین ایسی بن گئی تھی مسج دکان کھوتا۔ گاہک آتے انہیں سودا دیتا، شام کو دکان بند کرتا اور ایک چھوٹی سی کوٹھڑی میں جو اس نے شریف پورہ میں سے رکھی تھی، سو جاتا۔

گنجے کا ہوٹل تھا۔ اس میں وہ کھانا کھاتا۔ صرف ایک وقت، صبح کا ناشتہ
جیلنگر کے کڑے میں شاہجی ملوانی کی دکان میں کرتا۔ دکان کھولتا اور شام تک
اپنی گدی پر بیٹھا رہتا۔

اس کے اندر شادی کی خواہش شدت اختیار کرتی گئی لیکن سوال یہ تھا
کہ اس معاملے میں اس کی مدد کون کرے۔ امرتسر میں اس کا کوئی دوست باقی نہ
تھا جو اس کے لئے کوشش کرتا

وہ بہت پریشان تھا۔ شریف پورہ کی کوٹھڑی میں رات کو سوتے وقت وہ
کئی مرتبہ رویا کہ اُس کے ماں باپ اتنی جلدی کیوں مر گئے۔ اُنہیں اور کچھ نہیں
تو اس لئے ضرور زندہ رہنا چاہیئے تھا کہ وہ اُس کی شادی کا بندوبست کر
جائیں۔

اُس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ شادی کیسے کرے۔ بہت دیر تک سوچتا
رہا۔ اس دوران میں اُس کے پاس تین ہزار روپے جمع ہو گئے۔ اُس نے ایک
چھوٹے سے گھر کو جو اچھا خاصا تھا کر لئے پرے لیا۔ مگر رہتا وہ شریف پورے
ہی تھا۔

ایک دن اس نے اخبار میں ایک اشتہار دیکھا جس میں یہ لکھا تھا کہ شادی
کے خواہش مند اصحاب ہم سے رجوع کریں۔ بی۔ اے پاس لیڈی ڈاکٹر ہر قسم کے
رشتے موجود ہیں، خط و کتابت کیجئے یا خود آ کے ملنے۔

اتوار کو وہ دکان نہیں کھولتا تھا۔ اس دن وہ اس پتے پر گیا اور اس کی ملاقات ایک دائرہ والے بزرگ سے ہوئی۔ محمد علی نے اپنا مدعا بیان کیا دائرہ والے بزرگ نے میز کا دروازہ کھول کر میں پچیس تصویریں نکالیں اور اس کو ایک ایک کر کے دکھائیں کہ وہ ان میں سے کوئی پسند کر لے

ایک لڑکی کی تصویر علی محمد کو پسند آگئی چھوٹی عمر کی اور خوبصورت تھی۔ اس نے شاویاں کرنے والے ایجنٹ سے کہا کہ جناب — یہ لڑکی مجھے پسند ہے۔

ایجنٹ مسکرایا کہ تم نے ایک میرا جن لیا ہے۔
 علی محمد کو ایسا محسوس ہوا کہ وہ لڑکی اس کی آغوش میں ہے اس نے گلنا شروع کر دیا۔ بس — جناب آپ بات بکی کر دیجئے۔

ایجنٹ سنجیدہ ہو گیا۔ دیکھو برغزدار — یہ لڑکی جو تم نے چنی ہے، علاوہ حسین ہونے کے، ایک بہت بڑے خاندان سے تعلق رکھتی ہے — لیکن میں تم سے زیادہ فیس نہیں مانگوں گا۔

آپ کی بڑی فوادش ہے — میں یتیم لڑکا ہوں — اگر آپ میرا یہ کام کر دیں تو آپ کو ساری عمر اپنا باپ سمجھوں گا۔

ایجنٹ نے مونچھوں میں ہونٹوں پر چہرہ مسکراہٹ نمودار ہوئی، جیتے ہوئے — میں تم سے صرف تین سو روپے فیس لوں گا۔

علی محمد نے بڑے متشکرانہ لہجے میں کہا "جناب کا بہت بہت شکریہ۔"

مجھے منظور ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے جیب سے تین نوٹ سو سو روپے کے نکالے اور اس بوند گار

کو دے دیئے۔

تاریخ مقرر ہو گئی۔ نکاح ہوا۔ رخصتی بھی ہوئی۔ علی محمد نے وہ چھوٹا سامان جو کرائے پر لے لکھا تھا اب سجا سجا یا تھا۔ وہ اس میں بڑے چاڑ سے اپنی دہن لے کر آیا۔ پہلی رات کا دستور معلوم نہیں اس کے دل و دماغ میں کسی قسم کا تھاگرچہ اس نے دہن کا گھونگھٹ کانپتے ہاتھوں سے اٹھایا تو اس کو غش سا آگیا۔

مناسبت بد شکل عورت تھی۔ صریحا اس مرد بزرگ نے اس کے ساتھ دھوکہ کیا تھا۔ علی محمد لڑکھڑاتا کرے سے باہر نکل گیا اور شریف پورے جا کر اپنی کوٹھڑی میں دیر تک سوچتا رہا کہ یہ ہوا کیا ہے۔ لیکن اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا۔

اس نے اپنی دکان نہ کھولی۔ دو ہزار روپے وہ اپنی بیوی کا حق مہر اسی رات ادا کر چکا تھا۔ تین سو روپے اس ایکٹ کو اب اس کے پاس صرف سات سو روپے تھے۔ وہ اس قدر دل برداشتہ ہوا کہ اس نے سوچا شہر ہی چھوڑ دے ساری رات جاگتا رہا اور سوچتا رہا آخر اس نے فیصلہ کر ہی لیا۔ صبح دس بجے اسی نے اپنی دکان ایک شخص کے پاس پانچ ہزار روپے میں یعنی اونے پونے داموں

زیچ دی اور نکٹ کٹو اکرا لہو چلا گیا۔

لاہور جاتے ہوئے گاڑی میں کی جیب کترے نے بڑی معافی سے اس کے تمام روپے غائب کر دیے وہ بہت پریشان ہوا۔ لیکن اس نے سوچا کہ شاید خدا کو یہی منظور تھا

لاہور پہنچا تو اس کی دوسری جیب میں جو کتری نہیں گئی تھی صرف دس روپے اور گیارہ اُنے تھے اس سے اس نے چند روز گزارے۔ لیکن بعد میں ناقوں کی قربت آگئی۔

اس دوران میں اس نے کہیں نہ کہیں لازم ہونے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہا۔ وہ اس قدر مایوس ہو گیا تھا کہ اس نے خودکشی کا ارادہ کر لیا مگر اس میں اتنی جرأت نہیں تھی۔ اس کے باوجود ایک رات وہ ریل کی پٹری پر لیٹ گیا۔ ٹرین آ رہی تھی، مگر کانسٹیبل لا اور وہ دوسری لائن پر چلی گئی کیونکہ اسے ادھر ہی جانا تھا۔

اس نے سوچا کہ موت بھی دھوکا دے باقی ہے۔ چنانچہ اس نے خودکشی کا خیال چھوڑ دیا اور بھری اور مرچیں پیٹنے والی ایک چکی میں بیٹھیں روپے ماہوار پر ملازمت اختیار کر لی۔

یہاں سے پہلے دن بھر معلوم ہو گیا کہ دنیا دھوکہ ہی دھوکہ ہے۔ ہندی میں یہی مٹی کی ملاٹ کی جاتی تھی اور مرچوں میں سرخ اینٹوں کی۔

دو برس تک وہ اس چکی میں کام کرتا رہا۔ اس کو ملک ہر جینے کم از کم سات

سور و سپہ ماہر کا تھا اس دوران میں علی محمد نے پانچ سو روپہ پس انداز کر لئے تھے ایک دن اس نے سو چاہب ساری دنیا میں فریب ہی فریب ہے، تو وہ بھی کیوں نہ فریب دے۔

اس نے چنانچہ ایک علیحدہ کچا قائم کر لی اور اس میں مرجوں اور ہدی میں لاوٹ کا کام شروع کر دیا۔ اس کی آمدن اب کافی معقول کی تھی۔ اس کو شادی کا کئی بار خیال آیا کہ جب اس کی آنکھوں کے سامنے اس پہلی رات کا نقشہ آیا۔ تو وہ کانپ کانپ گیا۔

علی محمد خوش تھا۔ اس نے فریب کاری پوری طرح یکے لے تھی۔ اس کو اب اس کے اس کے تمام گزشتہ گئے تھے۔ ایک من لال مرجوں میں کتنی انٹیم پنی چاہیں، ہدی میں کتنی زور و رنگ کی مٹی ڈالنی چاہیے، ہر چیز وزن کا حساب، یہ اب اس کو اچھی طرح معلوم تھا۔

لیکن ایک دن اس کی چکی پر پولیس کا چھا پہ پڑا، ہدی اور مرجوں کے غوسے بوتلوں میں ڈال کر ہر بند کئے گئے۔ اور جب ٹیمپل اگزامینر کی رپورٹ آئی کہ ان میں لاوٹ ہے تو اسے گرفتار کر دیا گیا۔

اس کا نام دریں کون تھا جو اس کی ضمانت دیتا۔ کئی دن حوالات میں بند رہا۔ آخر مقدمہ عدالت میں پیش ہوا اور اس کو تین سو روپہ جرمانہ اور ایک مہینے کی قید یا مشقت کی سزا ہوئی۔

بڑا نہ تو اس سے ادا کر دیا، لیکن ایک مہینہ کی قید بامنتقت اسے پہنکتی ہی چلا
یہ ایک مہینہ اس کی زندگی میں بہت کڑا اور کٹھن تھا۔۔۔ اس دوران میں وہ اکثر
سوچتا تھا کہ اس سے بے ایمانی کیوں کی، جب کہ اس نے اپنی زندگی کا یہ اصول بنایا
تھا کہ وہ فریب نہیں کرے گا۔

پھر وہ یہ سوچتا کہ اسے اپنی زندگی ختم کر لینی چاہیے، اس لیے کہ وہ ادھر کا رہا
نہ ادھر کا۔ اس کا کردار مضبوط نہیں۔ بہتر یہی ہے کہ مر جائے تاکہ اس کا ذہنی اضطراب
ختم ہو۔

جب وہ جیل سے باہر نکلا تو وہ مضبوط ارادہ کر چکا تھا کہ خودکشی نہ کرے گا تاکہ
سدا بچ نہٹ ہی ختم ہو۔۔۔ اس غرض سے اس نے سات روز مزدوری کی اور دو
تین روپیے اپنا پیٹ کاٹ کاٹ کر جمع کئے اس کے بعد اس نے سوچا کہ کون سا ہر جگہ
جو کارآمد ہو سکتا ہے۔

اس نے صرف ایک ہی ذہر کا نام سنا تھا جو بڑا فاقی ہوتا ہے۔۔۔ لکھیا۔ لکھیا۔ لکھیا۔
لکھیا کہاں سے ملتی؟

اس نے بہت گشت کی آخر اسے ایک دکان سے لکھیا ملی گئی۔ اس نے
عشاء کی نماز پڑھی۔ خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگی کہ وہ ہلدی اور مرچوں میں ملاوٹ
کرتا رہا۔ پھر رات کو لکھیا کھائی اور فٹ پاتھ پر سو گیا۔

اس نے شام کا کھانا کھا۔ والوں کے منہ سے جھاگ نکلتی ہے۔ تشبیہ کیے

کے دوسے پڑتے ہیں۔ بڑا کرہا ہوتا ہے۔ مگر اسے کچھ بھی نہ ہوا۔ مگر یہ راستہ وہ
اپنی سوت کا انتظار کرتا رہا، مگر وہ نہ آئی۔

بیچ اٹھ کر وہ اس دکاندار کے پاس گیا، جس سے اس نے شکیا خریدی تھی
اور اس سے پوچھا ”بھائی صاحب! یہ اچھے بھر کیسی شکیا دی ہے کہ میں ابھی تک سرائیں
دکاندار نے آہ بھر کر پڑے افسوس ناک لہجے میں کہا ”کیا کہوں، میرے بھائی
— آج کل ہر چیز نفی ہوتی ہے — یا اس میں ٹاڈٹ ہوتی ہے

کیمیشن

(۲۲ جون ۱۹۵۲ء)

دروازہ کھلتا ہے۔ چوہدار تین مرتبہ فرش پر لڑکتی سے آواز پیدا کرتا ہے اور
اعلان کرتا ہے۔

چوہدار بادب، بلا غلغلہ، شیار، نظریں، مدبر، شہنشاہ عالم لے کر آئے تشریف
لا رہے ہیں۔

شہنشاہ عالم کے قدموں کی بجائے ہی چاپ مٹاتی دیتی ہے اس کے بعد وہ
تشریف لاتے ہیں۔

شہنشاہ۔۔۔ پیڈلنگ کہاں ہے

چوہدار ایک مہبت بڑی ڈش پر سے سر لوٹتی اٹھاتا ہے۔ پیڈلنگ

چھدک کر باہر نکلتا ہے اور فرشی سلام عرض کرتا ہے۔

پیڈلنگ۔۔۔ غلام سلوٹ بجاتا ہے جہاں پناہ

شہنشاہ :- دستر خواں پر باید دولت کے کیا کیا چیز حاضر ہے ؟

ہیڈ بلڈ :- گوشت پلاؤ ، اسی پلاؤ ، سٹریٹو ، نازنگی پاؤ ، مقنن - بریانی - زردہ ،
 روغن جوش - خور مر ، ٹماٹر گوشت ، جھنڈی گوشت ، مٹر گوشت ، پارسے کا
 شور - بر اقمیر ، بھینجا - بھن کٹلس ، پوٹو ٹٹاس - بھن چائیر ، مٹن چائیر ، پوٹو
 چائیر — اور خلیہ جہاں پتاہ کو سہارست رکھے — اور ہر کی دال ،

ٹھنڈا دو - رخصتے میں ، اور ہر کی دال ، باید دولت کو بالکل لپ بند نہیں -

ہیڈ بلڈ :- یور میجسٹریٹ — اُن پنج پر تین اٹھ تڑکی دلائیوں کے وزیر اعظم مدعو ہیں —
 — اس لئے —

شہنشاہ :- (خوش ہو کر) باید دولت تمہاری فرستہ کی داد دیجئے ہیں اور خوش ہو
 کہ تمہارا منہ مروتوں سے بھر دینے کا حکم جاری کر سکتے ہیں

ہیڈ بلڈ :- میری - انس رک جائے گی عالم پناہ

شہنشاہ :- (مسکرا کر) تم بہت ذہین ہو — اچھا ، باید دولت تمہیں سر کا خطاب
 عنایت فرماتے ہیں

ہیڈ بلڈ :- جہاں پناہ کی اس قدر افزائش نے ذرے کو آفتاب بنا دیا -

شہنشاہ :- اور کس منافق سے — پیٹنگ لگی نہ پٹنگ لگی

ہیڈ بلڈ :- غلام سلوٹ جلالا ہے یور میجسٹریٹ -

وزیر اعظم :- چوہدرتیں مرتبہ فرشت پر اپنی لائٹ سے آواز پیدا

کہتا ہے اور اعلان کرتا ہے

چو بدار۔ با ادب با ملاحظہ۔ ہوشیار منظر میں رد برو۔ — ملکہ عالیہ کی سواری آتی ہے، چھوٹے چھوٹے قدموں کی چاب سنانی دیتی ہے — ملکہ عالیہ کی سواری آتی ہے۔

ملکہ۔ جہاں پناہ کو نیا دودیر تو میرا انتظار نہیں کرنا پڑا؟ — میں اپنی خاموشی کے سر میں جو تیں ٹولوا رہی تھی۔

شہنشاہ۔ کیوں؟

ملکہ۔ رعایا کے لئے میں ایک بلا بنک کھولنا چاہتی ہوں۔

شہنشاہ۔ اموی سلطنت سے تمہاری یہ دلچسپی مابودلت کے لئے باعث مسرت ہوئی ہے۔

سید بکرو۔ رعایا کتنی خوش نصیب ہے کہ آپ ایسا مخلص بادشاہ اندک آپ ایسی مخلص ملکہ اس پر حکمران ہے۔

شہنشاہ۔ پہلے یوں ہی مشہور تھا کہ ناناں بادشاہ کے راج میں شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے تھے۔ لیکن ہمارے راج میں ایسے کتنے گھاٹ موجود ہیں جہاں شیر اور بکریاں اکٹھے پانی پیتے ہیں اور اس کو حلقہ امکان میں لاسنے کے لئے مابودلت کو تمام خیروں کے دانت نکھو اسنے اور تمام بکریوں کے سینک کٹھ اسنے پڑے۔

اور پانی کا پانی کرنا ہمارا کام ہے۔

فریادی: عالم پناہ! آج کل ایک سیر دودھ میں غرت دو قطرے دودھ کے اندر ڈالتی
سب بانی ہوتا ہے۔

شہنشاہ: سلسلے پر فریادی: دودھ کے یہ دو قطرے بھی علیحدہ کر کے دکھا دیئے جائیں
نگہ۔۔۔۔۔ بے خوف و خطر ہو کے بدلو کہ تمہیں کس نے ایذا پہنچائی ہے
۔۔۔۔۔ کیا نگہ عالم کے پستول سے تھاری بیوی۔۔۔۔۔

فریادی: بہترین کالی جاہ نگہ عالم کے پستول سے میری بیوی ہلاک نہیں ہوئی۔
شہنشاہ: تاہم سچ نہ، اس کا مطلب ہے، خود کو نہیں دہرایا۔۔۔۔۔ یہ بھی ایک بہت
برائی بات ہے۔۔۔۔۔ بولو، تم کام کیا کرتے ہو؟

فریادی:۔۔۔۔۔ عالی پناہ کے سامنے تلخ اس غلام نے ایک بہت بڑی لائڈری کھلی
دنگی ہے۔

شہنشاہ:۔۔۔۔۔ کپڑے گھارٹ پر تم دھو ستے ہو؟

فریادی:۔۔۔۔۔ نہیں عالم پناہ۔۔۔۔۔ یہ ذلیل کام میں سے دوسروں کے پیرو کر دکھا
ہے۔۔۔۔۔

شہنشاہ:۔۔۔۔۔ ایسا ہی ہوتا پانیجیہ۔۔۔۔۔ اب تمہیں کیا دکھ پہنچا ہے؟

فریادی:۔۔۔۔۔ جہاں پناہ، مجھے بہت بڑا دکھ پہنچا ہے۔۔۔۔۔ میرے پاس القاف نہیں
جو میں بیان کر سکوں

شہنشاہ :- ہوں دھوڑی دیر غور و فکر کرنے کے بعد فریادی تم کوئی فکر نہ کرو۔

ہم الفاظ کا بندوبست کر دیتے ہیں۔ بیٹے بٹکر !

بیٹے بٹکر :- غلام حاضر ہے جہاں پناہ

شہنشاہ :- حضور راہی عرض ہو اہم نے سر کے خطاب سے تمہیں سرفراز

کیا تھا۔

بیٹے بٹکر :- غلام اس قدر اسرافاتی کا شکریہ ادا کر چکا ہے۔

شہنشاہ :- اب خود کو اس قدر اسرافاتی کا حق دار ثابت کرو ہم تمہیں وزیرِ اقطاع

کا رتبہ بخشیتے ہیں، تاکہ تم اس فریادی کی فریاد کو مناسب و موزوں الفاظ میں

ترتیب دے کر ہماری خدمت میں پیش کرو۔

بیٹے بٹکر :- غلام اس فرمن سے بیکردش ہوئے کی پوری پوری کوشش کرے گا

شہنشاہ :- تم ملحق ہو فریادی ؟

فریادی :- میں بالکل ملحق ہوں عالم پناہ ۔

شہنشاہ :- وزیرِ اقطاع جاؤ اس فریادی کی فریاد پر اس کی صورت میں پیش کرو۔

بیٹے بٹکر :- کام کی اہمیت کے پیش نظر غلام ایک ماہ کی مہلت کے لئے درخواست

کرتا ہے۔

شہنشاہ :- مابعد ملت دو ماہ کی مہلت عطا فرماتے ہیں

بیٹے بٹکر :- شکریہ :-

فریادی :- لشکر یہ -

دروازہ کھلتا ہے چو بدارتین مرتبہ فرش پر لایمٹی سے آواز پیدا کرتا ہے

اور اعلان کرتا ہے

چو بدار :- با ادب، با ملاحظہ — ہوسنبار — نظریں رد برو — شہنشاہ عالم

دو مہینے کے بعد لائڈری واسے کیس کے متعلق ہیڈ بلک المعروف وزیر الفاظ کی

رپورٹ سننے کیلئے تشریف لارہے ہیں۔

شہنشاہ جھرو کے میں تشریف لاتے ہیں

شہنشاہ :- وزیر الفاظ - وندھی واسے فریادی کی رپورٹ موزوں و مناسب الفاظ میں

تیار ہوئی۔

ہیڈ بلک :- دو مہینے کی مسلسل محنت و مشقت اور غرق ریڑھی کے بعد یہ یچھ ان ایک

کردار الفاظ کی رپورٹ تیار کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے جو بیک کی آگاہی کیلئے سرکاری

پریس میں چھپ رہی ہے۔

شہنشاہ :- فریادی — وزیر الفاظ کے اس کام سے کیا تم مطمئن ہو ۔

فریادی :- قطعی طور پر عالی جاہ — کام بڑے سلیقے سے ہو رہا ہے ۔

شہنشاہ :- وزیر الفاظ — ہم حضور سے عرض کے لئے تمہیں وزیر خلاصہ بنا کر اس

رپورٹ کا مخلص پر چھپنا چاہتے ہیں جو بیک کی آگاہی کے لئے پریس میں

چھپ رہی ہے۔

ہیڈ بکٹر۔ رپورٹ کا اصل خلاصہ یہ ہے عالم پناہ — فریادی ایک بہت بڑی لائڈری کا مالک ہے اس لائڈری میں تمام کپڑے صابن سے نہیں، کسی اور ہی چیز سے دھوئے جاتے ہیں، جس کا نسخہ صرف فریادی ہی جانتا ہے۔ فریادی: یہ نسخہ سینہ بسینہ چلا کر رہے عالم پناہ۔

شہنشاہ :- خوب

ہیڈ بکٹر۔ ڈرائی کلیننگ کے کام میں بھی فریادی پیٹرول استعمال نہیں کرتا۔

فریادی :- غلام پیٹرول کا سارا کوٹ بلیک مارکیٹ میں بیچ دیتا ہے

شہنشاہ :- بہت خوب

ہیڈ بکٹر۔ فریادی کی لائڈری میں ساڑھے سات سو دھو بی کام کرتے ہیں۔ ان کو

سینہ بسینہ چھنے والے اصول کے مطابق وہی تنخواہ ملتی ہے جو مغلیہ بادشاہوں

کے عہد میں دھویوں کو مل کر تھی۔ فریادی نے چار مہینے ہوئے محسوس کیا

کہ اس کے یہ تنخواہ پانے والے اس کا صابن کھا رہے ہیں

شہنشاہ :- فریادی نے یہ کیسے محسوس کیا۔

فریادی :- ان کا رنگ دن بدن اجلا ہو رہا تھا جہاں پناہ

شہنشاہ :- درست !

ہیڈ بکٹر۔ انہوں نے صابن کھا نہ پر ہی اکتفا نہ کی — اسی غریب کا پیٹرول پینا

بھی شروع کر دیا۔

شہنشاہ :- فریادی — پٹرول پینے کے متعلق کیسے معلوم ہوا ؟
فریادی :- عالم پناہ — ان کی دھواں دھار تقریباً دس گنازیلی
شہنشاہ :- درست

ہیڈ کوارٹر :- اپنے تنخواہ پانے والے ملازمین کی اس بخا خوری اور بے لوثی سے تنگ
اگر فریادی نے ایک اور کپڑے سکھانے کے لئے ان کو اس میدان کی طرف
روانہ کر دیا جہاں شہزادیاں چاند ماری کیجھتی ہیں

شہنشاہ :- (گرمند ہو کر) والا نشان شہزادوں سے ان بیگنی ہوں کو ہلاک کر دیا
ہیڈ کوارٹر :- ایسا ہی ہوا جہاں پناہ — شہزادیوں کو یہ نذر نہیں رہی کہ وہ ساڑھے
سات سو دھوبی جنگلی انسانوں کی وہ کیسپ جو والا نشان شہزاد ہیں کا نشانہ درست
کرنے کے لئے ہر جتنے فراہم کی جاتی ہے

شہنشاہ :- سو بیویوں اور جنگلی انسانوں میں زمین آسمان کا فرق ہے
ہیڈ کوارٹر :- عالم پناہ کا ارشاد بالکل صحیح ہے — ساڑھے سات سو دھوبیوں
کے لواحقین چنانچہ فریادی کو ان کی ہلاکت کا ذمہ دار گردانتے ہیں ۔
فریادی :- فراہم کا تصور صرت اتنا ہے جہاں پناہ کہ اس نے تنگ آکر ان کو اس
میدان کی طرف بھیج دیا جہاں والا نشان شہزادیاں نشانہ درست کرتی ہیں
— لیکن ان کی انوس نامک ہلاکت کے بعد جب محو کیا تو معلوم ہوا کہ غیر ارادی

نور پر اس غلام نے جہاں پناہ کو انصاف کرنے کا ایک بہت ہی اچھا موقعہ
فرام کر دیا ہے

شہنشاہ :- غور کرنے کے بعد مابذلت بھی اس نتیجے پر پہنچتے ہیں۔۔۔ تاریخ میں
اس سے پہلے جہانگیر کو ایسے موقعے سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ لیکن ہم عہد بہریدہ
کے شہنشاہ ہیں۔۔۔ جہانگیری عدل فی زمانہ کو فی حقیقت نہیں رکھتا۔ خون
کا بدلہ خون ہے۔

پیٹلڈ :- کیا والا شان شہزادیاں غلام بدہن
شہنشاہ :- وزیر الفاظ، ہمیں اپنا فرض ادا کرنے دو۔

چوہدرار تین مرتبہ فرش پر اپنی لاشیں سے آواز پیدا کرتا ہے اور اعلان
کرتا ہے

چوہدرار :- با ادب باملاحظہ، ہمیشہ بار۔۔۔ منتظر ہیں روبرو۔۔۔ ملکہ عالیہ کی سواری
آتی ہے

ملکہ عالیہ کی سواری بال کھوسے ہوئے آتی ہے

ملکہ :- جہاں پناہ۔۔۔ یہ میں کیسا سن رہی ہوں

شہنشاہ :- خون کا بدلہ خون۔۔۔ ہماری مملکت کے ہر درو دیوار سے ہی عداوتی

ہے۔۔۔ خون کا بدلہ خون۔۔۔ کوئی خون بہانا ہوگا

ملکہ :- جہاں پناہ!

ہیٹ بٹلر:۔ عالم پناہ !!

فریادی:۔ ساڑھے سات سو دھویوں کے اگیتی پتا خواجہ نہیں چاہیے۔ فی دھوی
پانچ روپے کافی ہیں۔

شہنشاہ:۔ نہیں۔ مابہ دست اپنے دامنِ عدلی پر جہانگیر کی طرح کوئی دھبہ نہیں لگنے
دیں گے۔ خون کا بدلہ خون ہے۔۔۔ خوں بہا نہیں۔۔۔ وزیرالاعمال والا
شان شہزادیوں کی تعداد کیا ہے؟

ہیٹ بٹلر:۔ پچھلے برس کے اعداد شمار کے مطابق دلا تعداد شہزادیوں کی تعداد ایک سو
بیس تک پہنچی تھی۔

ملکہ:۔ ان میں میری کوئی دختر نیک اختر شامل نہیں۔۔۔ پھر بھی میں جہاں پناہ سے
درخواست کرتی ہوں کہ۔۔۔

شہنشاہ:۔ ہمیں اپنے فرض سے سبکدوش ہونے دو ملکہ۔۔۔ خون کا بدلہ خون ہے
فریادی:۔ جہاں پناہ۔۔۔ ان ساڑھے سات سو دھویوں میں خون کا صرف
ایک قطرہ تھا۔

شہنشاہ:۔ تمہیں کیسے معلوم ہے؟

فریادی:۔ ان کا سارا خون پچوڑ کمر میں سے صرف ایک ایک قطرہ باقی چھوڑ دیا تھا تاکہ ان
میں زندگی کی رمق باقی رہے۔

شہنشاہ:۔ ابد دست کی نگاہِ عدل میں خون کے ایک قطرے اور خون کے ایک

سمندر میں کوئی فرق نہیں۔ اس سے پیشتر کہ رجعت پسند قوتیں ہیں گمراہ کریں
 ملک کے طول و عرض میں ریڈیو اور اخباروں کے ذریعے سے اعلان کر دیا جائے
 کہ ہم لائڈر ہی واسطے کیس کا فیصلہ کر سکتے ہیں اپنی مثالی غیر جانبداری پر ہیں گے
 ————— خون کا بدلہ خون ہے ————— اس میں کوئی شک نہیں کہ والا شان شہزادوں
 کی رگوں میں ہمارا نیلا خون دوڑ رہا ہے۔ لیکن اسے دھوپوں کے سرخ خون
 کا بدلہ دینا ہوگا ————— ہر چہ اگر اکثاف اعلان کر دیا جائے کہ مابعد ولت نے
 اس سنگین مقدمے کا فیصلہ مرتب کرنے کے لئے ایک کمیشن بٹھا دیا ہے۔

ہیڈ ٹائر۔ کمیشن ؟

ملکہ۔ کمیشن ؟؟

فریادی۔ کمیشن ؟؟؟

شہنشاہ۔ ہاں ————— کمیشن ————— یہ کمیشن ملک کے چار بڑے دھوبیوں اور سب سے
 بڑے ڈرائی کلیمزوں اور ۶ خطاب یافتہ سرکاری لوگوں پر مشتمل ہوگا ————— ہیڈ ٹائر
 جس کو ہم نے پہلے سر کا خطاب عنایت فرمایا تھا اودھ میں وزیر اظہار بنا دیا
 تھا۔ اس کمیشن کا صدر ہوگا۔

ہیڈ ٹائر۔ غلام سے اتنا بڑا کام سہرا انجام نہیں دیا جاسکے گا یور میجسٹری
 شہنشاہ۔ مابعد ولت کو اس کا علم ہے ————— شہزادی صدارت میں تحقیقاتی کمیشن چھٹی
 رچی رہی ہے۔ مرتب کرے گا۔ عوام کی کامل نظام کے لئے مابعد ولت اس کمیشن پر ایک

اور کیشن بٹھا دیں گے تاکہ عدل و انصاف کی نگاہ سے کوئی گوشہ کھنڈی کو نہ

پرکشیہ نہ رہے۔

میڈیکلر۔۔۔ عالم پناہ عوام کی تشنگی بھیر بھی نہیں ہوگی۔۔۔ انکا ان کی سرشت

میں داخل ہے

شہنشاہ: خونکہ مند ہو کہ عوام کی تشنگی بہت ضروری ہے۔۔۔ سب سے مقدم

ہے۔ ہم اس دقت تک کوئی فیصلہ کر نہ سکے تھے تیار نہیں جب تک اس

محلے میں ہماری تشنگی نہ ہو کہ عوام ہماری طرف سے بالکل تشنگی ہیں۔۔۔

ہوا شافی کہہ کر چنانچہ ہم سب سے پہلے سب سے ضروری کیشن بٹھاتے

ہیں۔۔۔ اس کا نام شافی کیشن ہوگا۔

میڈیکلر۔۔۔ عالم پناہ زندہ باد!

ملکہ:۔۔۔ عدل و انصاف زندہ باد!

فریادی:۔۔۔ شافی کیشن جو زندہ باد۔